مسئلہ تکفیر پر ایک شاہکار تصنیف

فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

کا سادہ اور سلیس اردو ترجمہ

بنام

حق و باطل کا فیصلہ

تصنیف

حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی قدس سرہ

ترجمہ

مفتی دلشاد احمد قادری

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

انتساب

حدیث افتراق امت ایک تحقیقی مطالعہ

کے عظیم مصنف

ممتاز ناقد و محقق عالم ربانی شہید بغداد

الشیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی قدس سرہٗ

کے نام

جن کے افکار و نظریات میں حجۃ الاسلام امام غزالی کا علمی فیضان نظر آتا ہے

دلشاد احمد قادری

خادم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر واشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے، اکیڈمی کے زیراہتمام اب تک عربی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ۱۰۰ ر کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جو شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری کی نگرانی اور ان کی قائدانہ کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کی شہادت کے بعد اب نشر واشاعت کے یہ سارے امور بحمد اللہ صاحبزادہ مولانا عطیف قادری بدایونی کی نگرانی میں بحسن وخوبی انجام پارہے ہیں۔ زیرنظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر حلقے اور ہر طبقے کی دلچسپی اور ضرورتوں کے پیش نظر اشاعتی خدمات انجام دی ہیں، خالص علمی اور تحقیقی کتب، ادبی اور شعری نگارشات، عام لوگوں کی تربیت واصلاح کے لیے آسان زبان میں رسائل، اکابر بدایوں کی سیرت وسوانح، باطل افکار ونظریات کے رد وابطال اور مسلک حق کے اثبات میں قدیم وجدید رسائل اور غیر مسلم برادران وطن کے لیے اسلام کے تعارف پر مشتمل سلجھا ہوا دعوتی اور تبلیغی لٹریچر غرض کہ اکیڈمی ان تمام میدانوں میں بیک وقت تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات انجام دے رہی ہے۔

ابتدا ہی سے تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادۂ قادریہ سے وابستہ علما ومشائخ کے علاوہ دیگر علمائے اہل سنت بالخصوص عالم عرب کے علما، صوفیہ اور مشائخ کی تصانیف کو بھی اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے، زیرنظر کتاب کا ترجمہ اور اشاعت اسی منصوبے کی تکمیل کی طرف مضبوط قدم ہے۔

رب قدیر ومقتدر سے دعا ہے کہ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے، ہمیں زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں

فہرست مشمولات

☆☆☆

ابتدائیہ

حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصانیف عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے ملت اسلامیہ کو اپنی تصانیف کی صورت میں ایسا خزانہ عطا کیا ہے جو مسلسل خرچ ہونے کے باوجود بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی امام غزالی کی بہت اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ امام غزالی کے دور میں تکفیر کی گرم بازاری تھی، جس کے نتیجے میں امام غزالی کی یہ شاہکار تصنیف " فیصل التفرقة بین الاسلام و الزندقة" معرض وجود میں آئی اور اس وقت سے لے کر آج تک اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

زیر نظر کتاب میں مسئلہ تکفیر کو بہت واضح طور پر سمجھایا گیا ہے اور اس میں کس قدر دشواریاں ہیں یہ بھی وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ امام غزالی اسی کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> کسی مجتہد کی بات کا انکار یا اس کی مخالفت کفر نہیں ہے۔ یہ شان تو صرف نبی کریم ﷺ کی ہے کہ آپ سے اتفاق کرنا ایمان اور آپ سے اختلاف کرنا کفر ہے۔

کفر کی تعریف کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

> رسولِ انور ﷺ من جانب اللہ جو باتیں لائے ان میں سے کسی ایک میں بھی آپ کی تکذیب کرنا کفر ہے۔

تکذیب شارع سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے؟ یہ بھی وضاحت سے بیان کر دیا اور اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ تاویل کرنے والے پر کفر لازم نہیں آتا جب تک وہ قانون تاویل کی پاسداری کرتا رہے۔ ان سب باتوں کو پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تکفیر امام غزالی کے نزدیک کس قدر احتیاط کا عنوان ہے۔

امام غزالی کی فکر بہت عمدہ ہے اور جا بجا اجتہادی شان بھی نظر آتی ہے۔ اسی کتاب میں کئی مقامات ایسے بھی ہیں کہ جہاں امام غزالی کی علمی شان منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> اگر اُس شخص کا نظریہ یہ ہے کہ جو چیز اشعریت یا معتزلیت یا حنبلیت کے مخالف ہو وہ کفر ہے، تو یقین کر لو کہ ایسا شخص اعلیٰ درجے کا بے وقوف ہے، اسے تقلید کے شکنجے نے جکڑ لیا ہے، ایسا شخص دولت بینائی سے محروم ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام غزالی تکفیر میں جلد بازی کے قائل نہ تھے اور نہ جلد بازی کو پسند فرماتے تھے۔ اِسی کتاب میں امام غزالی اپنی ایک وصیت بھی ذکر کرتے ہیں:

> میری وصیت یہ ہے کہ اہل قبلہ جب تک لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے قائل رہیں، اس کو رد نہ کریں، ان کی تکفیر سے حتی الامکان اپنی زبان کو روکو۔ رد کرنے کے معنی یہ ہے کہ وہ کسی عذر یا بغیر عذر کے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کو جائز قرار دیں کیوں کہ تکفیر ایک وادی پُر خطر ہے، جب کہ سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

اس وصیت سے جو مفہوم برآمد ہوا ہے وہ بہت واضح اور صاف ہے۔

آگے تکفیر کا قانون تحریر فرماتے ہیں اور اصول ایمان کا ذکر کرتے ہیں نیز فرماتے ہیں:

> فروعیات میں سوائے ایک مسئلے کے تکفیر جائز نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی دینی بات کا انکار کرے جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے بطور تواتر ثابت ہو۔

تکفیر سے متعلق چند قابل لحاظ امور کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ہر امر کو الگ الگ شمار کرتے ہوئے اس کی تعریف بیان کرتے ہیں اور مثال دے کر واضح طور پر سمجھاتے ہیں۔

اس کتاب میں ایک اور اہم بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام غزالی تکفیر عوام پسند نہیں فرماتے

تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کتاب میں تکفیر عوام کے عنوان سے ایک الگ باب تحریر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

سب سے متشدد اور غالی متکلمین کا وہ گروہ ہے جو عام مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ جو شخص علم کلام کو ان کی طرح نہیں جانتا اور ان کے تحریر کردہ دلائل سے شریعت مطہرہ کے عقائد کا ادراک نہیں رکھتا، ایسا شخص کافر ہے۔متکلمین کے اس گروہ نے اولاً اللہ کی وسیع رحمت اس کے بندوں پر تنگ کر دی اور جنت کو مٹھی بھر متکلمین کی جماعت کے لیے وقف کر دیا۔

آخر میں اہل جہنم کی تعداد پر بھی تفصیلی بحث کی اور دخول فی النار و خلود فی النار کا مسئلہ بھی حل فرما دیا۔

عصر حاضر میں اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ اس کتاب کو مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل کرنا چاہیے، خاص طور پر تربیت افتا کے نصاب میں اس کی شمولیت کافی کارگر ثابت ہوسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چند سال قبل عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری علیہ الرحمہ (شیخ صاحب) نے اس کتاب کو مدرسہ قادریہ بدایوں کے نصاب میں داخل کیا اور اسی دوران اس کتاب کے اردو ترجمے کی ذمہ داری مدرسہ عالیہ قادریہ کے قابلِ فخر فرزند و مدرس مفتی دلشاد احمد قادری کو سونپ دی۔مفتی صاحب نے بہت محنت اور احتیاط سے اس کا سادہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا۔اور اب ''حق و باطل کا فیصلہ'' کے نام سے یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اسی طرح دین کی خدمت کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

تاج الفحول اکیڈمی حضرت مولانا ذیشان مصباحی کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے اپنے مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر اس ترجمے کو ملاحظہ فرمایا اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔رب قدیر و مقتدر مولانا کی عمر و علم میں برکت عطا فرمائے۔

ہم یہاں یہ بات عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت شیخ صاحب کا یہ اصول بن گیا تھا

کہ آپ خانقاہ برکاتیہ اور خانقاہ قادریہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اعراس میں کوئی نہ کوئی کتاب کا شایان شان اجرا کروایا کرتے تھے اور اس طرح اپنے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں سرگرم عمل تھے۔اب آپ کی شہادت کے بعد ہم اپنے اس اشاعتی منصوبے کو اسی طرز پر قائم رکھیں گے تاکہ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ جاری رہے۔زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا اجرا شیخ المشائخ مفتیٔ اعظم عاشق الرسول حضرت الشاہ عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہٗ العزیز کے ۵۶؍ویں عرس کے موقع پر کرتے ہوئے ہم فخر و مسرت محسوس کررہے ہیں۔

یہاں اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ یقیناً شیخ صاحب کی شہادت کے بعد ادارہ جن حالات سے دوچار ہوا وہ قابل بیان نہیں، یہ سب تاجدار اہلسنت حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم قادری کی ہمت و صبر اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے اشاعتی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہمیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ شیخ صاحب علیہ الرحمہ کی شہادت کے بعد ہمارے اشاعتی کام میں کوئی نہ کوئی خامی یا کمی ضرور نظر آئے گی جس میں ہماری کوتاہی اور کم علمی کو دخل ہے۔رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے،ہمیں علم و عمل سے آراستہ فرمائے اور اکیڈمی کے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عطیف قادری

خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں

۳؍جولائی ۲۰۱۴ء/۴؍رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

مختصر تعارفِ مصنف

امام غزالی پانچویں صدی ہجری کی وہ عبقری شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت ، درس و تدریس ، قضا و افتا، تصنیف و تحقیق ،تقویٰ وطہارت اور بالخصوص تصوف و روحانیت کی تعلیمات سے امت مسلمہ کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ اگرایک طرف آپ کو تصوف کے لاینحل مسائل کو حل کر کے احیائے تصوف اور تجدید تصوف کا اعزاز حاصل ہے تو دوسری طرف امت کی شیرازہ بندی کا سہرا بھی آپ کے ہی سر رہا۔آپ کی شاہکار تصانیف اس کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔اسی طرح فلسفے کی خشک زمین بھی آپ کے دریائے علم سے سرسبز وشاداب نظر آتی ہے،جس پر آپ کی 'مقاصد الفلاسفة' اور' تهافت الفلاسفة ' شاہد عدل ہیں۔ فقہ وافتا کا میدان بھی آپ کی خدمات سے محروم نہیں ،اس میدان میں بھی آپ مرجع خلائق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے علما،فقہا اور مفتیان عظام آپ کی درس گاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ 'التعلقه فی فروع المذهب' ، ' فتاوی الغزالی' ، ' المستصفی فی علم اصول الفقه'، 'اساس القیاس جیسی کتابیں آپ کی اس فن میں مہارت اور آپ کی علمی عظمت کو ظاہر کرتی ہیں۔

ولادت:

آپ قصبہ طوس کے مقام طاہران میں ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ءکو پیدا ہوئے۔(۱)

نام اور القاب:

ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی نیشاپوری آپ کا پورا نام ہے۔آپ کو غزالی کہے جانے کے

(۱)مقدمہ احیاء علوم الدین:ص۳/مطبوعہ دارالحدیث/ قاہرہ،مصر۔

سلسلے میں دو اقوال ہیں۔ اول یہ کہ آپ غزالی نہیں بلکہ غزّالی (''ز'' مشدد کے ساتھ) ہے۔ کیوں کہ آپ کی والد ماجد اون کاتنے کا کام کیا کرتے تھے اور عربی میں اون کاتنے والے کو غزّال کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی پیشے کی نسبت سے آپ کو غزّالی کہا جاتا ہے۔ اکثر مؤرخین اسے ہی اصح قرار دیتے ہیں۔(۲) خود امام ذہبی نے 'سیر اعلام النبلاء' میں آپ کے ترجمے کے ضمن میں آپ کو ''غزّالی'' لکھا ہے۔ پھر آپ کو شیخ الامام البحر، حجۃ الاسلام، اعجوبۃ الزمان اور زین الدین جیسے القاب سے یاد کیا۔(۳) 'طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' میں امام تاج الدین سبکی نے بھی آپ کو تشدید کے ساتھ غزّالی لکھا ہے۔(۴)

جب کہ دوسرا قول تاج الاسلام ابن خمیس سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

> مجھ سے خود امام غزالی نے فرمایا کہ لوگ مجھے غزّالی کہتے ہیں، حالاں کہ میں غزّالی نہیں بلکہ اپنے گاؤں غزالہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے غزالی (غیر مشدد) ہوں۔(۵)

آپ کے فارسی النسل یا عربی النسل ہونے کے سلسلے میں بھی محققین کا کافی اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ آپ عربی النسل ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں جب فتوحات اسلامیہ کا سلسلہ دراز ہوا تو اسی میں آپ کے آبا و اجداد فارس کے شہروں میں داخل ہو گئے۔ جب کہ بعض محققین کا نظریہ یہ ہے کہ آپ فارسی النسل ہیں۔(۶)

تعلیم وتربیت:

آپ نے اپنے صفی القلب اور عابد و زاہد والد محترم کے آغوش تربیت میں نشو و نما پائی۔ آپ کے والد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آپ اپنے کام سے فارغ ہوتے تو علما و صلحا کی

---

(۲) الفیلسوف الغزالی: عبدالامیر اعسم /ص ۲۷-۲۳/ مطبوعہ دار ضیاء/ ۱۹۹۸ء

(۳) سیر اعلام النبلاء: ذہبی/ ج ۱۶/ص ۲۶۷/ مطبوعہ دار الحدیث/ قاہرہ، مصر۔

(۴) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: تاج الدین سبکی/ ج ۶/ص ۱۹۱/ مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی/ قاہرہ، مصر۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ذہبی/ ج ۱۶/ص ۲۷۸/ مطبوعہ دار الحدیث/ قاہرہ، مصر۔

(۶) مقدمہ کتاب الوجیز فی الفقہ الامام الغزالی: علی معوض، عادل عبدالمعبود/ مطبوعہ دار الارقم/ بیروت، ۱۹۹۷ء۔

محافل میں حاضر ہوکر ان کے مواعظ ونصائح کو سنتے۔

امام غزالی نے ۴۶۵ھ میں اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور طوس میں ہی شیخ احمد رازکانی سے علم فقہ حاصل کیا،(۷) پھر جرجان تشریف لے گئے اور وہاں ابونصر شیخ اسماعیل سے اکتساب علم کیا۔ جرجان سے اکتساب علم کر کے جب آپ واپس آنے لگے تو آپ کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ امام غزالی خود اس واقعے کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> ڈاکوؤں نے مجھے گھیر کر میرا سارا سامان لوٹ لیا، اس کے بعد جب وہ واپس جانے لگے تو مَیں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ تم ہمارا پیچھا مت کرو، ورنہ تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا، مَیں نے ان سے کہا کہ بس میری تعلیقات واپس کر دو، وہ تمہارے کسی کام کی نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ مَیں نے کہا اس مخلاۃ (صندوق یا بوری نما کوئی چیز جس میں چوپایوں کا چارہ وغیرہ رکھ کر ان کی گردن میں لٹکایا جاتا ہے)(۸) میں میری کچھ کتابیں ہیں جن کے حصول کے لیے مَیں نے اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور اس کو مَیں نے بہت محنت سے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہو کہ تم نے اس علم کو حاصل کیا ہے؟ جب کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اس تعلیقات کے غائب ہونے سے تم علم سے خالی ہو گئے ہو۔! پھر بعض ڈاکوؤں کے کہنے پر سردار نے میری تعلیقات واپس کر دیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ ڈاکوؤں نے جو یہ بات کہی یہ من جانب اللہ ان سے کہلوایا گیا تھا تا کہ مجھ میں جو علمی لاپرواہی ہے اس کو ختم کیا جا سکے۔

اس حادثے کے بعد جب امام غزالی طوس پہنچے تو انہوں نے ان تعلیقات پر مکمل نظم ونسق کے ساتھ کام شروع کیا اور لگاتار تین سال ان پر کام کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے انہیں حفظ کر لیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ مَیں نے انہیں اس طرح حفظ کر لیا کہ اب اگر دوبارہ ڈاکو مل

---

(۷) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: تاج الدین سبکی/ ج۶/ ص۹۵/ مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی/ قاہرہ، مصر۔
(۸) معجم الوجیز: ص۲۱۱/ مادہ، خلا/ مطبوعہ وزارۃ التربیۃ والتعلیم/ قاہرہ، مصر۔

جائیں اور حملہ کر کے مجھ سے کتابیں چھین لیں تب بھی میرے علم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(۹)

امام غزالی مؤرخین کی زبانی:

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ:

ابو حامد نے حج کیا اور شام میں تقریباً دس سال رہے، بہت سی کتابیں بھی تالیف فرمائیں، مجاہدے میں مشغول رہا کرتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے دمشق کی جامع مسجد کے مغربی منارے کا انتخاب کیا تھا اور آپ نے صحیح بخاری ابو سہل حفصی سے سماعت کی۔(۱۰)

ابن نجار کا بیان ہے کہ:

ابو حامد مطلقاً امام الفقہا، بالاتفاق امت کے مربی اور اپنے زمانے کے مجتہد تھے۔(۱۱)

عبداللہ بن اشیری نے کہا:

عبدالمؤمن بن علی قیسی کو مَیں نے کہتے ہوئے سنا کہ مَیں نے عبداللہ بن تومرت کو کہتے ہوئے سنا کہ: ابو حامد نے علم کا دروازہ کھٹکھٹایا جس کی وجہ سے ہم پر علمی دروازے کھول دیے گئے۔ (۱۲)

امام غزالی کے اساتذہ:

[۱] **شیخ احمد راز کانی:** ان سے آپ نے بچپن میں علم فقہ حاصل کیا۔

[۲] **ابو نصر شیخ اسماعیلی:** ان سے آپ نے جرجان میں اکتساب علم کیا اور ان کے علم کو مدون کیا۔

[۳] **امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی:** ان کی صحبت میں امام غزالی ایک طویل مدت تک رہے۔ ان سے آپ نے علم فقہ میں کمال حاصل کیا اور انہوں نے ہی امام غزالی کی شخصیت سازی میں اہم

---

(۹) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: تاج الدین سبکی/ ج ۶/ ص ۱۹۵/ مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی/ قاہرہ، مصر۔

(۱۰) سیر اعلام النبلاء: ذہبی/ ج ۱۶/ ص ۲۷۳/ مطبوعہ دار الحدیث/ قاہرہ، مصر۔

(۱۱) مرجع سابق: نفس صفحہ

(۱۲) مرجع سابق: ص ۲۷۴۔

کردار ادا کیا۔(۱۳)

امام غزالی کے مشاہیر تلامذہ:

امام غزالی کے بے شمار تلامذہ ہوئے، مگر ہم یہاں صرف ان تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں جن پر امام غزالی کو کافی اعتماد تھا۔

امام زبیدی نے ان کے تلامذہ یوں شمار کرائے ہیں۔

[۱] ابونصر احمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن (م:۵۴۴ھ)

[۲] ابومنصور محمد بن اسماعیل بن حسین عطاری (م:۴۸۶ھ)

[۳] ابوفتح احمد بن علی (م:۵۱۸ھ)

[۴] ابوسعید محمد بن اسعد نوقانی (م:۵۵۴ھ)

[۵] ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مصمودی

[۶] ابوحامد محمد بن عبدالمالک اسفرائینی

[۷] محمد بن یحییٰ بن منصور (انہوں نے امام غزالی کی ''الوسیط'' کی شرح کی۔)

[۸] ابوبکر بن عربی (م:۴۹۵ھ)

[۹] احمد بن معد بن عیسیٰ اقلیشی (۱۴)

وفات:

۱۴؍ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو آپ کا وصال ہوا اور شہر طوس، قصبہ طاہران میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔(۱۵)

☆☆☆

---

(۱۳) مقدمہ احیاء علوم الدین: مطبوعہ دارالحدیث/ قاہرہ، مصر ۲۰۰۴ء۔

(۱۴) اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین: زبیدی/ ج۱/ص ۵۵۔

(۱۵) سیر اعلام النبلاء: ذہبی/ ج۱۶/ص ۲۷۸/ مطبوعہ دارالحدیث/ قاہرہ، مصر۔

[مقدمہ از مصنف]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

احمد اللّٰه تعالٰی استسلاما لعزته واستتماما لنعمته واستغناما لتوفيقه و معونته و طاعته واستعصاماً من خذلاته و معصيته واستدرارا لسوابغ نعمته واصلى على محمد عبده ورسوله وخير خليقته انقيادا لنبوته واستجلابا لشفاعته وقضاءا لحق رسالته واعتصاما بيمن سريرته ونقيبته وعلى اله واصحابه وعترته

(عظمت الٰہی کے تمام تر اعتراف کے ساتھ، اس کی طرف سے اتمام نعمت کا طالب اور اس کی توفیق، اعانت اور اطاعت کا سائل بن کر، اس کی نافرمانی اور اپنی رسوائی سے پناہ مانگتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کے دھاروں کی برسات چاہتے ہوئے مَیں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے بندے، پیغام بر، خیر خلقت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاتے ہوئے، ان کی شفاعت کی امید میں، ان کے حق رسالت کی ادائیگی کی خاطر، ان کے حسن سیرت و کردار کو تھامتے ہوئے ان پر، ان کے آل واصحاب اور ان کی عترت پر درود پڑھتا ہوں۔)

☆☆☆

برادرِ مشفق اور رفیق متعصب! مَیں تمہارے اندر تنگ دلی اور فکری اضطراب محسوس کر رہا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرار دین سے متعلق میری بعض کتابوں پر حاسدین کے طعن و تشنیع سن سن کر تمہارے کان پک چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میری ان تصنیفات میں بعض باتیں مشائخِ متقدمین اور علمائے متکلمین کے مذہب کے مخالف ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اشعری سے عدول، خواہ ایک بالشت بھر ہی کیوں نہ ہو، کفر ہے اور امام اشعری سے اختلاف، خواہ کسی

نہایت معمولی بات میں ہی کیوں نہ ہو، ضلالت وخسران ہے۔

برادرِ شفیق اور یارِ جانی! جمع خاطر رکھو، بددل ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تم یہ سمجھو کہ جو محسود نہیں ہوتا اور جس پر بہتان تراشی نہیں کی جاتی وہ غیر معمولی انسان نہیں ہوتا اور جو کفر وضلالت کے حوالے سے نہیں جانے جاتے وہ عظیم لوگ نہیں ہوتے۔ سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کامل اور زیادہ دانا وحکیم داعی کون ہوگا؟ حالانکہ انہیں ایک دیوانہ کہا گیا اور ربِ قدیر کے کلامِ عظیم سے زیادہ سچا اور محترم کلام کس کا ہوگا؟ جب کہ اس کے متعلق لوگوں نے یہاں تک کہا کہ یہ پچھلے لوگوں کے جھوٹے افسانے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث ومباحثہ مت کرو اور ان کی تفہیم کی امید مت رکھو۔ تمہاری یہ امید بے محل اور تمہاری یہ آواز بے سماعت ہے۔ کیا تم نے یہ بات نہیں سنی:

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى سَلَامَتُهَا اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ عَنْ حَسَدٖ

ہر عداوت اور دشمنی سے بچ نکلنے کی امید کی جاسکتی ہے، سوائے اس عداوت کے جس کی بنیاد حسد ہو۔

اگر اس سلسلے میں کسی کی اصلاح کی توقع درست ہوتی تو افضل البشر ﷺ پر یاس وناامیدی کی آیات نازل نہیں ہوتیں۔ کیا اللہ رب العزت کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟:

وَاِنْ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ☆

اگر تم پر ان کا اعراض گراں گزر رہا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کرلو، پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لے آکر آؤ۔ اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت پر جمع فرمادیتا۔ لہٰذا ہر گز تم ناواقف لوگوں میں سے مت بنو۔

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْا اِنَّمَا

☆ الانعام: آیت ۳۵۔

سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ☆

اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیتے اور وہ اوپر چڑھتے رہتے پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری نظریں مخمور کر دی گئی ہیں بلکہ ہمارے اوپر جادو کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کفار کی جہالت وہٹ دھرمی کو آشکار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ☆☆

اگر ہم تم پر کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھوتے، تب بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

ایک دوسرے مقام پر باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ☆☆☆

اگر ہم ان کے پاس فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے کلام کرتے اور ان کے رُوبرو ہم ہر چیز جمع فرما دیتے، تب بھی وہ بغیر مشیتِ الٰہی کے ایمان نہیں لاتے، لیکن ان میں اکثر لوگ جاہل ہیں۔

یاد رہے کہ کفر و ایمان کی حقیقت و تعریف اور حق و ضلالت کے اسرار و حقائق ان دلوں پر منکشف نہیں ہوتے جو مال و دولت کی ہوس اور جاہ و مرتبے کی محبت میں گرفتار ہو کر گندے اور غلیظ ہو چکے ہوں، اِن امور کا انکشاف ان دلوں پر ہوتا ہے جو اوّلاً دنیا کی آلودگیوں اور نجاستوں سے منزہ ہوں، ثانیاً ریاضت کاملہ سے ان دلوں کو صیقل کیا گیا ہو، ثالثاً خالص ذکرِ الٰہی سے انہیں منور کیا گیا ہو، رابعاً صحیح و صالح افکار و نظریات کی انہیں غذا فراہم کی گئی ہو، خامساً شرعی حدود کی پاس

☆ الحجر: آیت ۱۵-۱۴۔

☆☆ الانعام: آیت ۷۔

☆☆☆ الانعام: آیت ۱۱۱۔

داری والتزام سے انہیں سنوارا گیا ہو، تب کہیں جا کر ایسے دلوں پر مشکوٰۃِ نبوت کا نور جلوہ گر ہوتا ہے اور وہ دل روشن آئینے کے مانند ہو جاتے ہیں اور پھر ایمان کا چراغ دل کی قندیل میں روشنیاں بکھیرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس قندیل کا تیل بغیر آگ چھوئے ہی روشن ہو جائے گا۔ یہ ملکوتی اسرار ورموز ایسے لوگوں پر کیسے منکشف ہو سکتے ہیں جنہوں نے خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے، بادشاہوں کو اپنا معبود بنالیا ہے، درہم ودنانیر ان کا قبلہ ہیں، رعونت وتکبر ان کی شریعت ہے، جاہ و حشمت ان کا مقصود ہے، اہل ثروت کی جی حضوری ان کی عبادت ہے، شیطانی وسوسے ان کے وظیفے ہیں اور جاہ وحشمت کے حصول کے لیے حیلے تراشنا ان کی سوچ ہے۔ بھلا ایسے لوگوں کے لیے کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے کیسے ممتاز ہو سکتی ہے؟ کیا یہ امتیاز انہیں الہامِ الٰہی کے ذریعے حاصل ہوگا؟ حالانکہ اس ایمانی روشنی کو قبول کرنے کے لیے انہوں نے اپنے دلوں کو دنیوی کدورتوں اور غلاظتوں سے پاک نہیں کیا ہے، یا کفر وایمان کا یہ امتیاز ان کو علمی کمال سے حاصل ہوگا؟ جب کہ ان کا علمی سرمایہ مسئلۂ نجاست اور آب زعفران جیسے امور میں منحصر ہے۔ افسوس صد افسوس!! یہ نفیس وعزیز مطلب آرزوؤں اور خواہشوں سے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ عزیزمن! تم اپنے کام سے کام رکھو اور ان لوگوں کے چکر میں اپنی عمر کا باقی حصہ ضائع مت کرو۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی ☆

اس شخص سے اعراض کرو جو ہمارے ذکر سے رُوگرداں ہے اور جس کا مطلوب فقط دنیوی زندگی ہے۔ یہی اس کا مبلغ علم ہے۔ یقیناً تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اسے بھی بخوبی جانتا ہے جس نے راہ راست پالی۔

☆☆☆

☆ النجم: آیت ۲۹۔

حق ہر مسلک میں موجود ہے

اگر تم اس کانٹے کو اپنے اور ہر اس شخص کے سینے سے نکالنا چاہتے ہو جس کی حالت تمہاری مانند ہے کہ جسے نہ حاسدوں کا بہکانا برانگیختہ کر سکے اور نہ جامد تقلید اسے مقید رکھ سکے، بلکہ فکر ونظر سے پیدا شدہ کرب واضطراب اسے حق فہمی کے لیے مزید بے چین کر دے، تو اپنی طرف اور اپنے اس دوست کی طرف رخ کرو اور اس سے کفر کی تعریف دریافت کرو۔

اگر اس شخص کا نظریہ یہ ہے کہ جو چیز اشعریت یا معتزلیت یا حنبلیت کے مخالف ہو وہ کفر ہے تو یقین کر لو کہ ایسا شخص اعلیٰ درجے کا بے وقوف ہے، اسے تقلید کے شکنجے نے جکڑ لیا ہے۔ ایسا شخص دولت بینائی سے محروم ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔ اسے خاموش کرنے کے لیے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس کے دعوے کا اس کے مخالف کے دعوے کے ساتھ مقابلہ وموازنہ کرو کیوں کہ وہ اپنے اور اپنے علاوہ دیگر مخالفین مقلدین کے مابین کوئی واضح فرق نہیں کر پائے گا۔ شاید ایسا شخص بقیہ دیگر مسالک کے بالمقابل اشعریت کی طرف میلان رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اشعریت کی مخالفت بہر صورت کفر جلی ہے۔

اس سے پوچھو کہ اس کے لیے یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ حق فقط مذہبِ اشعری میں منحصر ہے کہ اس نے صرف اس وجہ سے باقلانی کے کفر کا فیصلہ صادر کر دیا کہ باقلانی نے اللہ کی صفتِ بقا کے سلسلے میں اشعری سے اختلاف کرتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا کہ صفتِ بقا ذاتِ باری تعالیٰ پر زائد نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ سوال کرو کہ اشعری سے مخالفت کی بنا پر باقلانی کافر کیوں ہو گئے؟ باقلانی سے اختلاف کرنے کی بنیاد پر اشعری کافر کیوں نہیں ہوئے؟ اور حق دونوں میں سے ایک کے مذہب پر ہی موقوف کیوں ہو گیا؟

حق کا کسی ایک مذہب پر انحصار کیا زمانی سبقت کی وجہ سے ہے؟ (یعنی اشعری زمانے کے لحاظ سے باقلانی سے مقدم ہیں تو اس وجہ سے حق ان کی جانب ہے؟) اگر تقدمِ زمانی ہی حق پر ہونے کا سبب ہے تو زمانے کے رُو سے معتزلی اشعری سے مقدّم ہیں، لہٰذا حق ان کی جانب ہونا چاہیے۔ یا حق کا کسی ایک مذہب پر موقوف ہونا علم و فضل میں تفاوت و فرق کی وجہ سے ہے؟ (اگر جواب اثبات میں ہو) تو اس شخص نے کس ترازو اور کون سے پیمانے سے علم و فضل کے مراتب کا اندازہ کیا کہ اس پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ علم و فضل میں اس کے امام و مقتدا سے کوئی افضل و اعلیٰ موجود نہیں ہے۔ اب اگر وہ شخص باقلانی کو اشعری کی مخالفت میں (معذور سمجھ کر) رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے علاوہ دیگر مذاہب کو اس رخصت سے کیوں محروم کرتا ہے؟ لہٰذا باقلانی، کرابیسی، قلانسی وغیرہ میں کیا فرق ہے؟ اس رخصت کی تخصیص کا سبب کیا ہے؟ اگر وہ یہ خیال کرے کہ باقلانی کا اختلاف صرف لفظی ہے حقیقی نہیں، جیسا کہ بعض متعصبین نے ایسا سمجھا اور گمان کیا کہ اشعری و باقلانی وجودِ باری کے دائمی ہونے پر باہم متفق ہیں، اختلاف اس میں رکھتے ہیں کہ یہ دوامِ ذات باری کی طرف راجع ہے یا کسی ایسے وصف کی طرف جو ذاتِ باری تعالیٰ پر زائد ہے اور یہ اختلاف تشدد اور سختی کا خواہاں نہیں ہے۔ تو وہ شخص نفی صفات باری کے سلسلے میں معتزلی پر تشدد و سختی کا مظاہرہ کیوں کرتا ہے؟ حالاں کہ معتزلی اس بات کا مُقر و معترِف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا عالم ہے کہ تمام معلومات کو اس کا علم محیط ہے، وہ تمام ممکنات پر قادر ہے، اشاعرہ سے وہ صرف اس بات میں اختلاف رکھتا ہے کہ باری تعالیٰ عالم بالذات ہے یا اس صفت کے ساتھ عالم ہے جو ذاتِ باری پر زائد ہے۔ لہٰذا باقلانی اور معتزلی کے اختلاف میں کیا فرق ہے؟ بھلا حق سبحانہ و تعالیٰ کی صفات اور ان کی نفی و اثبات میں غور و فکر کرنے سے زیادہ اور کون سا عمل عظیم ہو سکتا ہے؟

اگر وہ اس کا جواب یہ دے کہ مَیں معتزلی کی تکفیر اس وجہ سے کرتا ہوں کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ذات واحد سے علم، قدرت اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے حالانکہ علم و قدرت اور حیات تعریف و حقیقت کی رُو سے مختلف صفات ہیں اور یہ محال ہے کہ مختلف حقیقتیں ایک ذات سے متصف ہوں یا ذات واحدہ ان مختلف الحقائق صفتوں کے قائم مقام ہو۔ تو وہ شخص اشعری کی اس بات کو بعید از قیاس کیوں نہیں سمجھتا کہ کلام ایک صفت زائدہ ہے جو باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے

حالاں کہ کلام واحد ہونے کے باوجود تورات، انجیل، زبور، قرآن پر مشتمل ہے اور امر، نہی، خبر، استخبار بھی کلام ہے۔ امر، نہی، خبر وغیرہ حقیقتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں کیوں کہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جس میں صدق و کذب کا احتمال ہو اور امر و نہی میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہوتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی حقیقت میں تصدیق و تکذیب کا احتمال ہو بھی اور نہیں بھی ہو؟! اگر اسے درست مانا جائے تو نفی و اثبات ایک محل میں جمع ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ شخص اس بات کا جواب دینے میں خبط کا شکار ہو جائے اور اس سے پردہ اٹھانے میں عاجز ہو جائے تو حتمی طور پر سمجھ لو کہ وہ شخص اہل اجتہاد میں سے نہیں ہے بلکہ مقلدِ محض ہے اور مقلد کا وصف یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور اس کا جواب دینے کی بجائے خود بھی خاموش رہا جائے۔ اس لیے کہ وہ علمی گفتگو کرنے سے قاصر ہے۔ اگر وہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا تو وہ مقتدا اور امام ہوتا مقتدی اور تابع نہیں ہوتا۔ اور مقلدِ محض اگر دلائل میں غور و خوض کرے تو اس کا ایسا کرنا فضول و عبث ہے اور جو ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ گویا بھینس کے آگے بین بجا رہا ہے اور فاسد و خراب چیز کی درستگی کا طالب ہے۔

وَهَلْ يُصْلِحُ الْعَطَّارُ مَا اَفْسَدَ الدَّهْرُ

بھلا عطار اس کی کیا اصلاح کر سکتا ہے جس کو زمانے نے فاسد کر دیا ہو۔

امید ہے کہ اگر تو انصاف و دیانت سے کام لے تو تجھے معلوم ہوگا کہ جس نے حق کو کسی ایک مجتہد کی رائے پر موقوف و منحصر مانا تو وہ کفر اور تضاد و تناقض کے زیادہ قریب ہو گیا۔ کفر کے قریب اس لیے ہو گیا کہ اس نے ایک متعین شخص کو اس نبی معصوم کے مرتبہ و مقام پر بٹھا دیا جس کی موافقت کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہوتا اور جس کی مخالفت سے کفر لازم آتا ہے۔ رہا تضاد و تناقض تو وہ اس لیے کہ ہر مجتہد نظر و استدلال کو واجب اور تقلید کو حرام قرار دیتا ہے۔ پھر وہ مجتہد یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم پر میری تقلید واجب ہے۔ یا وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم پر غور و فکر کرنا واجب ہے مگر اس کے ساتھ تمہیں وہی سمجھنا ضروری ہے جو مَیں نے سمجھا ہے۔ نیز جسے مَیں دلیل سمجھوں اسے تم بھی دلیل سمجھو اور جسے مَیں مشتبہ سمجھتا ہوں اسے تم بھی مشتبہ قرار دو۔ ان دونوں میں کیا فرق ہوگا؟ کہ ایک کہتا ہے تم فقط میرے مسلک میں میری تقلید کرو اور دوسرا کہتا ہے کہ تم میرے مسلک اور میری دلیل دونوں میں میری تقلید کرو۔ یہ سراسر تناقض ہی تو ہے۔ ☆☆☆

کفر کی تعریف

جب مقلدین کی تعریفاتِ کفر تمہارے نزدیک باہم متناقض ومتضاد ہیں تو شاید تمہیں اب کفر کی حقیقی تعریف جاننے کی خواہش ہو، تو سنو! کفر کی تشریح وتوضیح کافی طویل ہے اور اس کا ادراک نہایت مشکل ہے۔ بہرکیف! مَیں تمہارے سامنے اس کی ایک نہایت جامع ومانع شناخت پیش کرتا ہوں تاکہ تم اس علامت ونشانی کو اپنے پیش نظر رکھو۔ اس علامت کے باعث تم دیگر فرقوں کی تکفیر سے بچو اور اہلِ اسلام کے متعلق زبان درازی سے احتراز کرو، جب تک کہ وہ لَا اِلٰــہ الا اللّٰــہ محمد رسول اللّٰہ پر قائم رہیں، اس کا انکار نہ کریں، بلکہ صدق دل سے اس کی شہادت دیتے رہیں، اگرچہ ان کے طریقے اور راستے مختلف ہوں۔

کفر کی تعریف:

رسول انور ﷺ من جانب اللہ جو باتیں لائے ان میں سے کسی ایک میں بھی آپ ﷺ کی تکذیب کرنا اور ان کو جھٹلانا کفر ہے۔

ایمان کی تعریف:

رسول انور ﷺ من جانب اللہ جو باتیں لائے ان سب میں آپ ﷺ کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ لہٰذا یہودی اور نصرانی کافر ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو رسول نہیں مانا، اسی طرح برہمی فرقہ بطریقِ اولیٰ کافر ہے، اس لیے کہ اس نے صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی تکذیب نہیں بلکہ اس نے تمام رسولوں کا انکار کردیا۔ اسی طرح دہریہ لوگ بطریق اولیٰ کافر ہیں کیونکہ وہ مُرسِل اور مُرسَل (اللہ اور رسول) دونوں کے منکر ہیں۔

ان فرقوں کی تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ عبدیت (غلامی) اور حریت (آزادی) کی مانند کفر بھی ایک

شرعی حکم ہے۔ چنانچہ تکفیر کے معنی خون کا مباح قرار دینا اور خلود فی النار کا حکم نافذ کرنا ہے اور اس حکم شرعی کا ادراک از رُوئے شریعت ہی ممکن ہے۔ یا تو یہ حکمِ کفر، نص قطعی سے جانا جائے گا یا منصوص پر قیاس کے ذریعے اس کا ادراک کیا جائے گا۔

یہود و نصاریٰ کے کفر کے متعلق نصوص قطعیہ وارد ہو چکی ہیں، لہٰذا براہمہ، دو خدا کے قائلین، زنادقہ اور دہریہ بطریق اولیٰ یہود و نصاریٰ کے حکم میں ہوں گے۔ کیوں کہ یہ سب فرقے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے میں مشترک ہیں۔ چوں کہ ہر کافر رسول کی تکذیب کرنے والا ہے اور رسول کی تکذیب کرنے والا ہر شخص کافر ہے۔ یہ کفر کی نہایت جامع اور مانع شناخت ہے۔

وجود کے مختلف درجات ومراتب

ابھی جو ہم نے ذکر کیا اگرچہ وہ واضح اور مکمل ظاہر ہے۔ پھر بھی اس کے تحت ایک عمیق اور گہری وادی ہے۔ اس لیے کہ ہر فرقہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے اور اس کے کفر کی نسبت تکذیبِ رسول کی طرف کرتا ہے۔ حنبلی، اشعری کی تکفیر کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ کے لیے جہتِ فوق اور استواء علی العرش ثابت نہ کر کے رسول کی تکذیب کی ہے۔ اشعری حنبلی کی تکفیر اس لیے کرتا ہے کہ اس نے باری تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لیس کمثله شیء (اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں) میں رسول کی تکذیب کی۔ اشعری معتزلی کی تکفیر یہ گمان کرتے ہوئے کرتا ہے کہ معتزلی نے رویتِ باری تعالیٰ کے جواز، خدا کی صفتِ علم اور اس کی قدرت وغیرہ کا انکار کر کے رسول کی تکذیب کی ہے۔ معتزلی اشعری کو کافر اس لیے جانتا ہے کہ اس نے باری تعالیٰ کے لیے ایسی صفات ثابت کیں جن سے قدما کا کثیر ہونا لازم آتا ہے لہٰذا اس نے توحید کے معاملہ میں رسول کو جھٹلایا۔

اے طالبِ حق! اس ورطہ اور دشوار گھاٹی سے تجھے یہی چیز نکال سکتی ہے کہ تم تکذیب وتصدیق کی تعریفِ حقیقی اور ان دونوں کی حقیقت سے روشناس ہو جاؤ تا کہ ان جماعتوں کا ایک دوسرے کی تکذیب میں بے جا تشدد وغلو تمہارے اوپر واضح ہو جائے۔ تو سنو! تصدیق کا مرجع خبر بلکہ مخبر (خبر دینے والا) ہوا کرتا ہے اور تصدیقِ رسالت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر اس چیز کے وجود کا اعتراف واقرار کیا جائے جس کے وجود کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی۔ لیکن یاد رہے وجود کے پانچ درجات ومراتب ہیں۔ انہی مراتب سے غفلت اور نابلد ہونے کی وجہ سے ہر فرقے نے اپنے مخالف کی نسبت تکذیبِ رسول کی طرف کی۔

لہذا جاننا چاہیے کہ وجود کی حسب ذیل پانچ قسمیں ہیں:

[۱] وجود ذاتی

[۲] وجودِ حسی

[۳] وجودِ خیالی

[۴] وجودِ عقلی

[۵] وجودِ شبہی۔

لہذا جو شخص ان پانچوں وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے بھی اس شے کا اعتراف کرے جس کے وجود کی حضور علیہ السلام نے خبر دی تو ایسے شخص کو مطلقاً مکذِّبِ رسول (رسول کی تکذیب کرنے والا) نہیں کہا جائے گا۔

اب ہم وجود کی ان پانچوں اقسام کی وضاحت کرتے ہیں اور مثالوں کے ذریعے تاویل کی جہتیں سمجھتے ہیں۔

[۱] وجود ذاتی:

وجود ذاتی وجود حقیقی کا نام ہے جو حس اور عقل سے خارج میں ثابت ہے لیکن حس اور عقل اس وجود کو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک رکھا جاتا ہے۔ جیسے آسمان و زمین، حیوانات و نباتات کا وجود۔ یہ وجود ظاہر ہے بلکہ یہی وجود کے معروف معانی ہیں۔ اکثر لوگوں کو وجود کے اس معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا علم نہیں۔

[۲] وجودِ حسّی:

وجود حسی وہ ہے جو آنکھ کی قوت باصرہ میں چھپتا ہے اور خارجِ آنکھ اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ وجود صرف حس میں موجود ہوتا ہے، قوتِ حاسہ ہی اس کے ساتھ مختص ہے دیگر چیز اس میں شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ سونے والا خواب میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ کمزور و لاغر مریض کبھی عالم بیداری میں اس وجودِ حسّی کا ادراک کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی صورت متمثل ہوئی حالانکہ اس صورت کا مریض کی خارجِ حس میں کوئی وجود نہیں، لیکن مریض اس کو اس طرح دیکھتا ہوتا ہے جیسے کہ اپنی خارج حس میں تمام موجودات کو دیکھتا ہے۔

بیداری وصحت کی حالت میں کبھی انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے سامنے کوئی صورت ظاہر ہوتی ہے جو جواہر ملائکہ کے ہم شکل اور مشابہ ہوتی ہے اور اس صورت کے توسط سے ان کی جانب الہام و وحی کی ترسیل ہوتی ہے اور یہ حضرات اپنی حد درجہ باطنی صفائی کی وجہ سے ان امور غیبیہ کو حالت بیداری میں اس طرح اخذ کرتے ہیں جس طرح دیگر لوگ نیند کی حالت میں کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (حضرت مریم کے لیے جبریل امین بشری صورت میں متمثل ہوئے۔) نیز حضور نبی کریم ﷺ نے بارہا جبریل امین کو دیکھا لیکن ان کو حقیقی صورت میں فقط دو مرتبہ دیکھا۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ جبریل امین کو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں، ٹھیک اسی طرح خواب میں حضور کا دیدار ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ رَاٰنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ (جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا)۔

خواب میں حضور علیہ السلام کی رویتِ مبارکہ اس معنی میں نہیں ہوتی کہ آپ کا جسدِ مبارک روضہ اطہر سے منتقل ہوکر سونے والے کی خواب گاہ میں پہنچ جائے بلکہ یہ رویت اس نہج پر ہوتی ہے کہ آپ کی صورت کا وجود فقط سونے والے کی حِسّ میں ہوتا ہے۔

اس کے اسرار و رموز کی بحث طویل ہے جس کی بعض کتابوں میں ہم نے تشریح و توضیح کی ہے۔ اگر یہ لوگ ان امور مذکورہ کی تصدیق نہیں کرتے تو کم از کم اپنی آنکھ کی تصدیق کریں۔ مثال کے طور پر آپ ایک آگ کے شعلے کو لیں گویا کہ وہ آگ کا شعلہ ایک نقطے کی شکل میں ہے پھر آپ اس شعلے کو حرکت مستقیم (سیدھی حرکت) دیں تو آپ کو وہ شعلہ آگ کا ایک خط (لکیر) نظر آئے گا پھر آپ اس شعلے کو مستدیر (گول) حرکت دیں تو وہ آپ کو آگ کا ایک گول دائرہ نظر آئے گا۔ یہ دائرہ اور خط جن کا بظاہر مشاہدہ کیا جا رہا ہے یہ فقط آپ کی حِسّ میں موجود ہیں آپ کے خارجِ حِسّ میں اس کا وجود نہیں اس لیے کہ ہر دونوں حال میں خارج میں صرف نقطہ موجود ہے۔ یہ نقطہ اوقات متعاقبہ میں خط ہو جاتا ہے لہٰذا خط کا وجود ایک حالت میں نہ ہوگا حالانکہ وہ آپ کے مشاہدے میں ایک حالت میں ثابت ہے۔

[۳]وجودخیالی:

وجودخیالی انہی محسوسات کی صورت کا نام ہے جب کہ وہ آپ کی حِسّ سے غائب ہو جائیں کیونکہ آپ اس بات پر قادر ہیں کہ اپنے خیال میں ہاتھی یا گھوڑے کی صورت اختراع کریں پھر اگر چہ آپ اپنی آنکھوں کو بند کرلیں اس کے باوجود آپ اس ہاتھی یا گھوڑے کی صورت کو دیکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ آپ کے دماغ میں موجود ہے اور خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

[۴]وجودعقلی:

وجودِ عقلی یہ ہے کہ شے کی ایک روح (حقیقت ومعنی) ہوتی ہے اور ایک اس کی ظاہری صورت وشکل ہوتی ہے، لہٰذا عقل صرف اس کے معنی کا القا کرے اس کی صورت کو خیال یا حس یا خارج میں ثابت نہ کرے تو اسے وجود عقلی کہا جائے گا۔ مثال کے طور پر ''ہاتھ'' کو لے لیجیے کیونکہ ہاتھ کی ایک صورت محسوسہ اور صورت متخیّلہ ہوتی ہے اور ایک اس کی معنویت ہے جو اس کی حقیقت ہے یعنی کسی چیز کو پکڑنے کی قدرت۔ لہٰذا ہاتھ کے یہی معنی (کسی چیز کو پکڑنے کی قدرت) اس کا وجود عقلی ہے۔ اسی طرح قلم کی ایک صورت ہے لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے علوم کے نقوش بنائے جاتے ہیں۔ قلم کا یہ ایسا معنی ہے کہ عقل، لکڑی یا بانس کے بنے ہوئے قلم کی صورت خیالیہ یا صورت حسیہ وغیرہ کا تصور کیے بغیر بھی اس کا ادراک کرسکتی ہے۔

[۵]وجودِ شبہی:

وجود شبہی یہ ہے کہ نفسِ شے موجود ہی نہ ہو، نہ صورت کے اعتبار سے اور نہ حقیقت کے اعتبار سے۔ نہ وہ شے خارج و حس میں ہو اور نہ خیال وعقل میں لیکن اس چیز کے مشابہ کوئی دوسری چیز موجود ہو، جو کسی خصوصیت یا صفت میں اس کی طرح ہو۔ یہ بات پورے طور پر تم اس وقت سمجھو گے جب تاویلات کے ضمن میں ہم اس کی مثال پیش کریں گے۔ بہر حال! اشیا کے وجود کے یہی پانچ مراتب ہیں۔

☆☆☆

وجود کے مختلف درجات کی مثالیں

اب وجود کے ان مراتب سابقہ کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

وجود ذاتی کی مثال:

وجود ذاتی کی مثال پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں، اس لیے کہ وجود ذاتی کا اطلاق ظاہری معنی پر ہوتا ہے۔ اس کی تاویل پیش کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ وجود ذاتی درحقیقت وجود حقیقی کا ہی نام ہے مثلاً رسول انور ﷺ کا عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کے وجود کی خبر دینا۔ آپ کی یہ خبر اپنے ظاہر پر محمول ہوگی، اس لیے کہ مذکورہ اشیا کے اجسام فی نفسہا موجود ہیں، خواہ ان اجسام کا ادراک حس و خیال سے ممکن ہو یا نہیں۔

وجود حسی کی مثال:

وجود حسی کی تاویلات میں بے شمار مثالیں موجود ہیں، مگر تم صرف دو مثالوں پر قناعت کرو:

[۱] رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُؤتى بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُورَةِ كَبْشٍ اَمَلَحَ فَيُذْبَحُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

بروز قیامت موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔

اب جس شخص کے نزدیک یہ بات دلیل و برہان سے ثابت ہو چکی ہے کہ موت ایک عرض ہے اور عرض کا جسم بن جانا محال اور خارج از قدرت ہے تو وہ شخص حدیث مذکور کی یہ تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت اس مینڈھے کو دیکھ کر یہ اعتقاد و یقین کر لیں گے کہ وہ موت ہے حالانکہ یہ مینڈھا فقط ان کی حِــــسّ میں موجود ہوگا خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوگا اور اس مینڈھے کا ذبح ہونا

موت سے مایوسی ہونے کے یقین واذعان کا سبب وذریعہ ہوگا۔ (یعنی جب وہ بندہ اس بات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے گا کہ موت مینڈھے کی شکل میں ذبح کردی گئی تو اسے اس بات کا یقین محکم ہوجائے گا کہ اب مجھے موت کبھی نہیں آئے گی۔) کیونکہ جو چیز ذبح کردی جاتی ہے اس کے دوبارہ واپس آنے سے مایوسی ہوجاتی ہے اور جس شخص کے نزدیک عرض کے جسم کی شکل اختیار کرنے پر دلیل و برہان قائم نہیں ہوئی ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نفسِ موت ہی مینڈھے کی شکل میں تبدیل ہوگی اور پھر اسے ذبح کردیا جائے گا۔

[۲] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عُرِضَتُ عَلَيَّ الُجَنَّةُ فِي عُرُضِ هذا الُحَائِطِ

جنت اس دیوار کی عرض (چوڑائی) میں میرے اوپر پیش کی گئی۔

اب جس شخص کے نزدیک اس بات پر دلیل قائم ہوچکی ہے کہ اجسام میں تداخل ممکن نہیں اور چھوٹی شی میں بڑی چیز نہیں سماسکتی تو وہ شخص حدیثِ مذکور کو اس بات پر محمول کرے گا کہ نفسِ جنت دیوار میں منتقل نہیں ہوئی تھی بلکہ حضور کی حِسّ میں دیوار میں جنت کی صورت چھپی تھی تو گویا کہ آپ اس کا مشاہدہ کررہے تھے اور ایک چھوٹے سے جسم میں کسی بڑی شے کی مثال دیکھنا ممتنع ومحال نہیں ہے جیسا کہ آسمان کو ایک چھوٹے سے آئینے میں دیکھا جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ آسمان کا آئینے میں دیکھنا اور جنت کی تخیلی صورت کے دیکھنے میں فرق ہے۔ اس لیے کہ آسمان کو آئینے میں دیکھنا ایک علیحدہ شے ہے اور آنکھیں بند کرکے بطریق تخیل آسمان کو آئینے میں دیکھنا ایک جداگانہ چیز ہے۔

وجودخیالی کی مثال:

رسول انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

كَـاَنِّـيُ اَنُـظُـرُ اِلٰى يُوُنُسَ بُنِ مَتّى عَلَيُه عَبَأَتَانِ قَطَوَانِيَّتَانِ يُلَبِّىُ وَ تُجِيبُهُ الُجِبَالُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوُلُ لَبَّيُكَ يَا يُوُنُسُ

گویا کہ مَیں یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ دو قطوانی عبائیں اوڑھے ہوئے تلبیہ کہہ رہے ہیں اور پہاڑ ان کو جواب دے رہے ہیں اور اللہ رب العزت بھی

ان سے ''لبیک یایونس'' فرمارہاہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول بظاہر اس بات پر مبنی ہے کہ آپ ﷺ کے خیال میں یہ صورت متمثل ہوئی، اس لیے کہ اس حالت کا حقیقی وجود حضور ﷺ کے ظاہری وجود سے پہلے ہو کر معدوم بھی ہو چکا۔ یہ حالت حضور کے فرمان کے وقت موجود نہ تھی اور یہ کہنا بھی بعید از قیاس نہیں کہ یہ حالت مذکورہ آنحضرت ﷺ کے حِــــسّ میں متمثل ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اس طرح مشاہدہ کرنے لگے جیسا کہ سونے والا سوتے وقت مختلف صورتیں دیکھا کرتا ہے لیکن آپ کا یہ فرمان کہ ''گویا میں یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں'' اس طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ یہ دیکھنا حقیقتاً نہیں تھا بلکہ دیکھنے کی مانند تھا۔ اس حدیث کو پیش کرنے کا مقصد فقط مثال سمجھانا ہے، اس بعینہٖ صورت وحقیقت کو سمجھانا نہیں۔ الغرض جو چیز خیال میں ظاہر ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ نگاہوں کے سامنے موجود ہے اور حقیقت میں اس کا مشاہدہ کیا جارہا ہے اور بسا اوقات خیالی صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دلیل سے یہ فرق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ حقیقی مشاہداتی صورتیں ہیں یا فقط خیالی صورتیں۔

وجود عقلی کی مثالیں:

وجود عقلی کی بے شمار مثالیں ہیں۔ ہم یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے:

[۱] نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

آخِرُ مَنْ يُّخْرَجُ مِنَ النَّارِ يُعْطٰى مِنَ الْجَنَّةِ عَشَرَةُ اَمْثَالِ الدُّنْيَا

جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا اسے ایسی جنت دی جائے گی جو دس دنیا کے برابر ہوگی۔

اس حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ وہ جنت طول وعرض اور پیمائش کے لحاظ سے دس گنا ہوگی اور یہ تفاوت وفرق حسی وخیالی ہے۔ کبھی اس بات پر تعجب وحیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ جنت آسمان میں ہے کیونکہ اس کے ثبوت پر نصوص ظاہرہ دلالت کرتے ہیں تو پھر آسمان دس گنا دنیا کی کس طرح وسعت وگنجائش رکھ سکتا ہے؟ حالاں کہ آسمان بھی دنیا کا جز وحصہ ہے۔ مؤول (تاویل وتوجیہ کرنے والا) اس تعجب خیز چیز کو قطعی ویقینی سمجھ کر کہتا ہے کہ اس سے مراد

تفاوتِ عقلی ومعنوی ہے، خیالی وحسی تفاوت مراد نہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ موتی اس گھوڑے کے دس گنا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ موتی اس گھوڑے کی قیمت و مالیت میں دس گنا ہے اور اس قیمت و مالیت کا ادراک صرف عقلی طور پر کیا جاتا ہے۔ مساحت و پیمائش کے اعتبار سے موتی گھوڑے کے دس گنا نہیں کیونکہ مساحت و پیمائش خیال وحس سے جانی جاتی ہے۔

[۲] رسول انور ﷺ نے فرمایا:

اِن اللّٰہَ خَمَّرَ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی کو چالیس روز تک اپنے ہاتھ سے گوندھا۔

آں حضرت ﷺ نے اللہ رب العزت کے لیے ہاتھ ثابت کیا۔ اب جس شخص کے نزدیک یہ بات برہان ودلیل سے ثابت ہوچکی ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہونا محالات کے قبیل سے ہے خواہ وہ ہاتھ حسی عضو کی شکل میں ہو یا عضو مخیلہ کی صورت میں، ایسا شخص اللہ کے لیے روحانی وعقلی ہاتھ ثابت مانتا ہے یعنی وہ شخص ہاتھ کے معنی وحقیقت اور اس کی روح، اللہ کے لیے ثابت مانتا ہے نہ کہ ہاتھ کی ظاہری صورت وشکل، اور ہاتھ کی روح وحقیقت پکڑنے، کام کرنے، عطا کرنے اور منع کرنے کی طاقت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے واسطے سے پکڑتا ہے، عمل کرتا ہے، عطا کرتا ہے اور منع کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا فرمایا اور پھر اس سے کہا کہ مَیں تیرے واسطے سے عطا کروں گا اور تیری ہی وجہ سے منع کروں گا۔ اب یہ بات ممکن نہیں کہ اس عقل سے عرض مراد ہو، جیسا کہ علمائے متکلمین اعتقاد ویقین رکھتے ہیں، کیونکہ عرض کا مخلوق اول ہونا ممکن نہیں، بلکہ یہاں عقل سے مراد کوئی فرشتہ ہے اور اسے عقل کے نام سے اس لحاظ سے موسوم کیا گیا کہ وہ فرشتہ کسی علم کا محتاج ہوئے بغیر بالذات اشیا کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے۔ کبھی اسی فرشتے کو اس اعتبار سے قلم کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے انبیا، اولیا اور تمام فرشتوں کے دلوں میں وحی اور الہام کے طور پر علوم کے حقائق نقش کیے جاتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ — اللہ نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی۔

اگر اس قلم کا مرجع عقل کو نہ مانا جائے تو دونوں حدیثوں میں باہم تضاد و تناقض لازم آئے گا چنانچہ یہ بات جائز ہے کہ ایک شے کے مختلف اعتبارات سے متعدد نام ہوں۔ لہٰذا ذات کے اعتبار سے اس کا نام عقل ہے، اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہونے کی لحاظ سے اسے فرشتہ کہا جاتا ہے، اس کا نام قلم اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس کی نسبت ان علوم کے نقوش کی طرف ہے جو اس سے الہام و وحی کے ذریعے صادر ہوتے ہیں، مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی ذات کے اعتبار سے روح کہتے ہیں اور ان میں جو اسرار و رموز ودیعت کیے گئے ہیں اس کے لحاظ سے ان کو امین کے نام سے جانا جاتا ہے اور قدرت کے اعتبار سے ان کا نام " ذُوْمِـــرّہ " ہے اور کمال قوت و طاقت کی رُو سے انھیں مـکیناً عِندَ ذِی العَرْشِ الْعَظِیْم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعض فرشتوں کے حق میں جبریلِ امین مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لحاظ سے انھیں مُطاع کہا جاتا ہے۔

بہر کیف! شخص مذکور کے مطابق مذکورہ روایات میں ید اور قلم کے عقلی معنی مراد ہیں، حسّی اور خیالی نہیں۔ لفظ یــد سے یہی معنی اس شخص نے بھی مراد لیے ہیں جس کا مذہب یہ ہے کہ یہ اللہ کی صفت ہے، اب خواہ یہ صفت قدرت ہو یا کوئی اور، اس میں علمائے متکلمین نے اختلاف کیا ہے۔

وجودِ شبہی کی مثال:

اس کی مثال غضب و غصّہ، شوق، خوشی و مسرت، صبر وغیرہ اوصاف ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حق (قرآن وحدیث) میں وارد ہوئے ہیں مثلاً غضب و غصہ کی حقیقت، تشفی کے ارادے سے خونِ دل کا جوش مارنا ہے اور یہ معنی اللہ جل شانہ کے حق میں نقص و کمی سے خالی نہیں۔ (اس کی ذات کے شایانِ شان نہیں) چنانچہ جس شخص کے نزدیک یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ کے لیے نفسِ غضب و غصہ کا ثبوت محال ہے خواہ یہ ثبوت ذاتی و حسی ہو یا خیالی و عقلی (یعنی چاروں اقسام میں سے ہر قسم کے لحاظ سے غضب کا ثبوت باری تعالیٰ کے لیے محال و ممتنع ہے) تو اس نے اس صفت غضب کی تاویل ایک دیگر صفت کے ثبوت سے کی جو غضب و غصہ کی وجہ سے صادر ہوئی ہے یعنی سزا و عذاب کا ارادہ کرنا، حالاں کہ ارادہ حقیقت میں غضب و غصّہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا لیکن اس کی مناسبت ایک دیگر صفت میں ہے جو صفت غضب سے قریب تر ہے۔ یہ مناسبت دراصل ایک اثر میں ہے جس سے اس صفت کا صدور ہوتا ہے اور وہ درد والم پہنچانا ہے۔ وجودِ خمسہ کی تاویلات میں یہ مختلف درجات و مراتب ہیں۔ ☆☆☆

تکذیب شارع کا مفہوم

جو شخص بھی شارع علیہ السلام کے کسی بھی قول کی مذکورہ مراتبِ وجود میں سے کسی مرتبے کے موافق تاویل کرے اس کا شمار مصدّقین میں ہوگا (یعنی وہ آپ ﷺ کے فرمان کی تصدیق کرنے والا مانا جائے گا) تکذیب یہ ہے کہ وہ ان تمام معانی کی نفی کردے اور یہ گمان کرے کہ آپ ﷺ نے جو فرمایا اس کے کوئی معنی نہیں، وہ کذب محض ہے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد فریب دینا یا کوئی دنیوی مصلحت ہے۔ ایسا خیال کرنا بے دینی اور کفر محض ہے۔ ہاں تاویل کرنے والے پر کفر لازم نہیں آتا جب تک وہ قانونِ تاویل کی پاسداری کرتا رہے، جس کی طرف عنقریب ہم رہنمائی کریں گے۔ بھلا اس پر کفر کیسے لازم آسکتا جب کہ اہل اسلام کا کوئی بھی گروہ ایسا نہیں جو تاویلات کے دامن میں پناہ نہ لیتا ہو۔ تاویل سے سب سے زیادہ احتراز کرنے والے حضرت امام احمد بن حنبل ہیں اور تاویلات میں حقیقت سے سب سے زیادہ دور اور سب سے غریب و نادر تاویل یہ ہے کہ کلام کو مجاز اور استعارے کی طرف پھیر دیا جائے اور ایسا وجودِ عقلی اور وجودِ شبہی میں ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل کے پیروکاران دونوں وجودوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں اور ان وجود کے قائل ہیں۔ مَیں نے بغداد میں مذہبِ حنبلی کے معتبر و معتمد ائمہ کرام سے سنا کہ امام احمد نے صرف درج ذیل تین احادیث کی تاویل پر صراحت فرمائی ہے۔

حدیث اول:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْحَجَرُالْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجر اسود زمین میں اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔

حدیث دوم:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْقَلْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیِ الرَّحْمٰنِ، یُقَلِّبُهٗ کَیْفَ یَشَاءُ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیرتا ہے۔

حدیث سوم:

اِنِّی لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ۔

مَیں یمن کی جانب سے نفسِ رحمٰن کو پاتا ہوں۔

آپ غور کریں کہ جب امام احمد بن حنبل کے نزدیک خدائے برتر کے ہاتھ کے محال ہونے پر دلیل قائم ہوگئی تو آپ نے حدیثِ اول کی کس طرح تاویل کی؟ آپ فرماتے ہیں کہ کسی کا داہنا ہاتھ اس کا تقرّب حاصل کرنے کے لیے چوما جاتا ہے اور حجرِ اسود بھی باری تعالیٰ کی نزدیکی اور حصولِ قرب کے لیے چوما جاتا ہے، پس حجرِ اسود داہنے ہاتھ کی مانند ہوا اور یہ مماثلت خدا کی ذات وصفات میں نہیں ہے بلکہ یہ مماثلت ایک عارضی امر ہے۔ اسی وجہ سے حجرِ اسود کو یمین اُللہ کہا گیا۔ امام احمد بن حنبل نے حدیث کی جو تاویل کی یہ وہی معنی ہیں جس کو ہم وجودِ شبہی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ وجودِ شبہی تمام تاویلات میں سب سے زیادہ بعید از حقیقت ہے۔ لہٰذا تم اس پہلو پر غور کرو کہ جو شخص تاویل سے سب سے زیادہ دور رہتا ہے، وہ بھی تاویل کرنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح جب امام احمد بن حنبل کو اللہ تعالیٰ کے لیے دو حسّی انگلیاں محال و ممتنع نظر آئیں، کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے دل میں جھانک کر دیکھے تو اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دو انگلیاں کبھی نظر نہیں آئیں گی، اس لیے امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی تاویل انگلیوں کی حقیقت سے فرمائی اور وہ عقلی وروحانی انگلی ہے۔ عقلی وروحانی انگلی سے ان کی مراد انگلی کی روح اور اس کی حقیقت ہے، جس کے ذریعے اشیا کو بآسانی الٹا پلٹا جاتا ہے اور حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ انسان کا دل فرشتے کے القا اور شیطان کے وسوسے کے مابین ہوتا ہے اور اللہ رب العزت فرشتے کے القا اور شیطانی وسوسے کے ذریعے دلوں کو پھیرا کرتا ہے۔ لہٰذا دو انگلیوں سے ان ہی دو قوتوں کی جانب اشارہ ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے صرف ان ہی تین حدیثوں کی تاویل پر اکتفا کیا، کیوں کہ ان ہی تین حدیثوں میں انہیں استحالہ نظر آیا اس لیے کہ وہ عقلی میدان میں زیادہ گہری نظر نہیں

رکھتے تھے۔ اگر وہ دقّتِ نظر سے کام لیتے تو باری تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق کی تخصیص اور بہت سے دیگر مسائل جن میں آپ نے تاویل نہیں فرمائی، ضرور استحالہ ظاہر ہوتا۔

اشاعرہ و معتزلہ چوں کہ حد سے زیادہ بحث و نظر کے عادی ہیں، اس لیے انہوں نے اکثر نصوص ظاہرہ کی تاویل کر دی۔ ان میں اشاعرہ امور آخرت میں حنابلہ سے قریب تر ہیں، کیوں کہ انہوں نے چند امور کو چھوڑ کر اکثر نصوص کو ان کے ظاہر پر ہی باقی رکھا ہے جب کہ معتزلہ تاویل کے سلسلے میں بہت زیادہ غالی واقع ہوئے ہیں۔ لیکن اشاعرہ نے بھی متعدد امور میں تاویل کے دامن میں پناہ لی ہے جیسا کہ ہم نے ماسبق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ''موت کو خوبصورت مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔'' اسی طرح حدیث میں وارد ہوا کہ میزان میں اعمال کا وزن کیا جائے گا تو فوراً اشاعرہ نے اعمال کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اعمال کے صحیفے تولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اعمال کے درجات کے بقدر ان میں وزن و گرانی پیدا فرما دے گا۔ اشاعرہ کی یہ تاویل وجودِ شبہی کی طرف راجع ہے جو وجود ہائے خمسہ میں نہایت بعید تر ہے کیونکہ صحیفے ایسے اجسام ہیں جن میں ہند سے لکھے جاتے ہیں، لہٰذا اصطلاحاً یہ بات ثابت ہوئی کہ اعمال اعراض ہیں اور جس چیز کا وزن کیا گیا وہ عمل نہیں محلِ نقوش ہے جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے۔ معتزلی نفسِ میزان کی تاویل کرتے ہیں اور میزان سے بطور کنایہ کوئی ایسا معنی مراد لیتے ہیں جس کے ذریعے ہر شخص کے سامنے اس کے عمل کی مقدار منکشف و واضح ہو جائے گی۔ معتزلہ کی رائے وزن صحائف کی بالمقابل تکلف سے زیادہ دور ہے۔

میرا مقصد مذکورہ دونوں تاویلوں میں سے کسی ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینا نہیں ہے بلکہ ان کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کو بخوبی جان لیا جائے کہ ہر فرقہ تاویل کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہے، اگر چہ اس نے ظواہر کے التزام میں شدّت سے کام لیا ہو۔

ہماری یہ بحث اس شخص کے لیے نہیں ہے جو جہالت و سفاہت کی حدود پار کر چکا ہے اور کہتا ہے کہ حجر اسود حقیقتاً اللہ کا داہنا ہاتھ ہے، موت اگر چہ عرض ہے اور اس کا مینڈھا بننا محال ہے پھر بھی وہ مینڈھے کی صورت میں متشکل ہوگی، اعمال اگر چہ عرض ہیں اور معدوم ہو چکے ہیں اس کے باوجود وہ میزان پر تولے جائیں گے اور ان میں ثقل و گرانی ہوگی۔ جو شخص جہالت و سفاہت میں اس حد تک پہنچا ہوا ہے اس نے درحقیقت عقل و دانش کا پٹا اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے۔

☆☆☆

قانونِ تاویل

اب آپ تاویل کا قانون ملاحظہ کریں! قبل ازیں آپ جان چکے ہو کہ ان پانچوں مراتب و درجات پر تمام فرقوں کا اتفاق ہے اور ان مراتب میں سے کوئی درجہ تکذیب کے دائرے میں نہیں آتا۔اس کے ساتھ ہی یہ سب فرقے اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ان درجات میں سے کسی بھی درجے کی تاویل کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ معنیٰ ظاہر کا محال ہونا دلیل و برہان سے ثابت ہو چکا ہو۔ان مراتب و درجات میں ظاہر اول وجود ذاتی ہے۔ جب کسی شے کے لیے وجود ذاتی ثابت ہو گیا تو اس کے ضمن میں تمام دیگر وجود خود ثابت ہو گئے اور اگر وجود ذاتی مراد لینا متعذّر اور دشوار ہو تو پھر وجودِ حسی مراد لیا جائے گا کیونکہ اگر وجودِ حسّی ثابت ہو گیا تو اس کے بعد کے وجود ضمناً ثابت ہو جائیں گے اور اگر وجود حسی مراد لینا متعذّر ہو تو پھر وجود خیالی یا وجود عقلی کا مرتبہ ہے اور اگر وجود کے ان درجات کا ثبوت بھی متعذّر ہو تو پھر وجودِ شبہی مراد لیا جائے گا جو مجازی ہے۔ایک وجود کے درجے کو چھوڑ کر اس سے ادنیٰ وکمتر وجود کی طرف عدول کرنا اس وقت جائز ہوگا جب کہ اس کی ضرورت وحاجت پر دلیل قائم ہو۔

بالآخر اختلاف کا مرجع دلائل و براہین پر قائم ہوتا ہے کیونکہ حنبلی مذہب کا پیروکار یہ کہتا ہے کہ اس بات پر کوئی دلیل و برہان نہیں ہے کہ باری تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق مختص کرنا محال وممتنع ہے۔ اشعری کہتا ہے رویتِ حق تعالیٰ کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔لہٰذا ہر فرقہ اپنے مدِّ مقابل کے بیان کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور اسے قطعی دلیل نہیں سمجھتا، خواہ اس کی دلیل کسی بھی پائے کی ہو۔لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ ایک فرقہ اپنے مدِّ مقابل فرقے کو دلیل و برہان میں خطا کار سمجھ کر اس کی تکفیر کر دے۔ ہاں! اتنا جائز ہے کہ اپنے حریف کو برہانی غلطی کے سبب گمراہ یا بدعتی کہہ سکتا ہے۔لیکن گمراہ اس معنیٰ کر جانے کہ وہ اس کے نزدیک راہِ راست سے بھٹک گیا اور بدعتی

اس لیے سمجھے کہ اس شخص نے ایسی نئی بات ایجاد کی جس کی صراحت سلفِ صالحین سے نہیں ملتی ہے، کیونکہ سلف سے یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا لہٰذا قائل کا یہ قول کہ رویتِ باری نہیں ہوگی بدعت ہے اور اس کا رویتِ باری تعالیٰ کی تاویل پیش کرنا بھی بدعت ہے، بلکہ اگر اس کے نزدیک یہ ظاہر ہو جائے کہ رویتِ باری تعالیٰ کے معنی دل سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے پھر بھی اس معنی کا اظہار وتذکرہ کرنا اس کے لیے مناسب نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سلفِ صالحین نے اس معنی کو بیان نہیں کیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق کو ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ومعروف ہے حالانکہ سلف میں سے کسی نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ خالقِ عالم، نہ عالم سے متصل ہے اور نہ منفصل، نہ وہ عالم سے خارج ہے اور نہ اس میں داخل ہے اور سلف نے یہ بھی نہیں کہا کہ جہاتِ ستہ باری تعالیٰ سے خالی ہیں اور جہتِ فوق کی طرف اس کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے جہتِ تحت کی طرف۔ چنانچہ باری تعالیٰ کے لیے جہت فوق ثابت کرنا قولِ بدعت ہے۔ کیونکہ کسی ایسی بات کو ایجاد کرنا جس کا ثبوت سلف سے نہ ہو بدعت ہے۔ یہاں تم پر واضح ہوگا کہ اس جگہ دو مقام ہیں:

مقامِ اول:

پہلا مقام عوام الناس کے لیے ہے اور اس میں حق بات یہ ہے کہ ظواہر کی اتباع کی جائے اور ظواہر کو یکسر تبدیل کرنے سے بچا جائے اور جس چیز کی تاویل کی صراحت صحابۂ کرام سے منقول نہیں اس میں ایجاد وابداع سے احتراز کیا جائے۔ علم کلام اور کتاب وسنت کے متشابہ نصوص کے اندر زیادہ غور وفکر کرنے سے زجر وتوبیخ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کسی سائل نے دو متعارض آیتوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس پر درّے لگوائے اور اسی طرح امام مالک سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے "استوا" کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

اَلِا سْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْاِیْمَانُ بِه وَاجِبٌ وَالْکَیْفِیَّةُ مَجْهُوْلَةٌ وَالسَّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

استوا معلوم ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

مقام ثانی:

دوسرا مقام اصحاب فکر ونظر کا ہے جن کے عقائد ماثورہ مرویہ میں اضطرابات واختلافات ہوں۔ان کے لیے مناسب یہ ہے کہ ان کی بحث وتکرار بقدرِ ضرورت ہو اور ان کا ظاہری معنی سے عدول برہانِ قطعی کی بنیاد پر ہو۔ان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کریں کہ ان کا مدّ مقابل ان کے خیال میں اپنے استدلال میں خاطی ہے۔اس لیے کہ استدلال کے خطا کا یقینی ادراک بہت مشکل امر ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ استدلال کے حوالے سے کوئی ایسا قانون ہو جو متفق علیہ ہو، جس کا اعتراف ہر فریق کرے، کیوں کہ جب تک میزان کی صحت پر اتفاق نہ ہو، وزن کے سلسلے میں اختلاف کا دور ہونا ممکن ہی نہیں۔ہم نے اپنی کتاب ''قسطاس مستقیم'' میں موازین خمسہ (پانچ پیمانوں) کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ پیمانے ایسے ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اختلاف وتنازع کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان کو سمجھنے کے بعد ہر شخص یہ اعتراف کرے گا کہ یہ پیمانے ایسے ہیں جن سے قطعی طور پر یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو ان پانچ پیمانوں (موازین خمسہ) کا ادراک کر لیں ان پر عدل وانصاف کی عقدہ کشائی، حجابات کا اٹھانا اور اختلافات کو رفع کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اہلِ نظر کے درمیان اختلافات دور نہ ہونے کے کئی اسباب ہیں۔بعض افراد میزان کے تمام شرائط کے ادراک سے قاصر ہوتے ہیں یا اس لیے کہ شرائط کے ادراک کے باوجود اپنی خواہش وطبیعت کو دخیل کر لیتے ہیں، میزان علمی کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ جیسے کوئی شخص فن عروض سے واقفیت کے باوجود، شعر کہنے میں اپنے ذوق کی طرف رجوع کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شعر کو قواعدِ عروض پر پیش کرنا اسے گراں معلوم ہو تو یہ بات بعید نہیں کہ ایسے شخص سے بسا اوقات خطا سرزد ہو جاتی ہے۔

اہل نظر واجتہاد کے اختلافات ختم نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان علوم وفنون میں مختلف درجات رکھتے ہیں جو براہین ودلائل کے مقدمات ہیں، کیوں کہ بعض علوم براہین کے اصول ہوتے ہیں، جیسے تجربات، تواتر وتوارث وغیرہ۔ظاہر ہے کہ لوگ میں تجربات اور تواتر کی رُو سے تفاوت پایا جاتا ہے مثلاً کسی کے نزدیک ایک چیز متواتر ہوتی ہے جب کہ دوسرے کے

نزدیک وہ متواتر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک شخص کو کسی چیز کا تجربہ حاصل ہوتا ہے جب کہ دوسرا اس سے نا آشنا ہوتا ہے۔

اختلافات وتنازعات کے عدم رفع کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان کو بسا اوقات وہمی اور عقلی باتوں میں التباس ہوجاتا ہے یا اچھی اور مشہور باتوں کا بدیہیات واولیات کے ساتھ التباس ہوجاتا ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب ''محك النظر'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اہل نظران موازین خمسہ کو جان لیں اوران کو صحیح طور سے سمجھ لیں تو وہ بہ آسانی غلطی کے مواقع سے واقف ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ عناد وتعصب سے دور رہیں۔

☆☆☆

تکفیر میں جلد بازی سے گریز

بعض لوگ بغیر کسی دلیل قطعی کے محض غلبۂ ظن کی بنیاد پر تاویل میں جلد بازی کر جاتے ہیں۔ ہر مقام پر ایسے لوگوں کی تکفیر میں بھی عجلت سے کام لینا مناسب نہیں ہے، بلکہ دیکھنا چاہیے کہ اگر تاویل کسی ایسے مسئلے میں ہے جس کا تعلق اصول عقائد سے نہیں ہے، تو تکفیر نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ستارے اور چاند وسورج کو دیکھ کر جو یہ کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے۔ اس سے ان کی مراد ان اجرام فلکیہ کے ظاہری معنی نہیں تھے بلکہ ان سے ان کی مراد جواہر نورانیہ ملکیہ تھے اور ان کی نورانیت عقلی ہے حسّی نہیں ہے اور ان جواہر نورانیہ کے فضل وکمال میں مختلف مراتب ہیں اور ان کے درمیان چاند وسورج اور ستاروں کے مثل فرق وتفاوت ہے۔

صوفیہ اپنی اس تاویل پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بہت بلند و بالا ہیں کہ کسی جسم کے متعلق معبود ہونے کا اعتقاد کر بیٹھیں، حتیٰ کہ انہیں اس کے غروب ہونے کے مشاہدے کی ضرورت پیش آئے۔ کیا تم یہ گمان کر سکتے ہو کہ اگر وہ جسم غروب نہیں ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے اپنا معبود بنا لیتے ؟ کیا وہ یہ بات نہیں سمجھ رہے تھے کہ جسم ذو مقدار کا اِلٰہ ہونا محال ہے؟ صوفیہ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے ستارے کو دیکھا ہو حالانکہ آفتاب ان میں سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے اور وہی سب سے پہلے مشاہدے کے لائق تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ

اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمان و زمین کی بادشاہت دکھائی تاکہ وہ یقین کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی فرمان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ قول کی حکایت کی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ آسمان و زمین کے ملکوت منکشف ہونے کے بعد چاند و سورج وغیرہ کے متعلق خدا ہونے کا وہم کریں؟

صوفیہ کے یہ دلائل ظنی ہیں برہانی نہیں۔ ان کی یہ دلیل کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اس سے برتر ہے کہ آپ کسی جسم کے متعلق خدا ہونے پر یقین کریں، اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ ماجرا اس وقت پیش آیا جب آپ چھوٹے بچے تھے اور یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ جس کو مستقبلِ قریب میں نبوت کے عظیم منصب پر فائز ہونا ہے، بچپن میں اس کے دل میں ایسے وسوسے داخل ہوں اور جلد ہی دور ہو جائیں اور یہ بھی کوئی بعید از عقل نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک چاند و سورج کے غروب ہونے کی دلالت ان کے حادث ہونے کی بنسبت زیادہ واضح ہو اور جسم ذی مقدار کے معبود ہونے کا استحالہ اس کے بالمقابل کم واضح ہو۔ رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلے ستاروں کو دیکھنا تو اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ آپ بچپن میں کسی غار میں قید تھے اور رات کے وقت غار سے نکلے۔ اور رہی یہ بات کہ اللہ نے پہلے كَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا۔ پھر آپ کے قول کی حکایت کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انتہائی حالت کا ذکر کیا ہو پھر آپ کی ابتدائی حالت کو بیان کیا ہو۔

لہٰذا ان بعض صوفیہ کے یہ سب دلائل ظنی ہیں۔ ان کو وہی شخص یقینی گمان کرے گا جو یقین کی حقیقت اور اس کے شرائط سے ناواقف ہو۔ اسی نہج پر ان حضرات نے آیت کریمہ "اِخْلَعْ نَعْلَيْكَ" اور "اَلْقِ مَافِىْ يَمِيْنِكَ" میں عصا اور نعلین کی تاویل کی ہے۔ ان جیسے امور میں جن کا تعلق اصولِ عقائد سے نہیں ہے، ظن و تخمین کرنا ان کے یہاں برہان کے بطور جاری ہے۔ لہٰذا اس ظن کی بنا پر نہ تکفیر کی جائے گی اور نہ ہی بدعتی قرار دیا جائے گا۔ ہاں! اگر اس ظن و تخمین کے دروازے کے کھولنے کے سبب عوام الناس کے دلوں میں اضطراب و تشویش پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ظن و تخمین سے کام لینے والے شخص کو ہر اس امر میں بدعتی قرار دیا جائے گا جو سلفِ صالحین سے منقول نہ ہو۔

اسی کے قریب بعض باطنیہ کا یہ قول ہے کہ سامری کا بچھڑا تاویل شدہ ہے (یعنی قرآن میں مذکور ہے کہ سامری نے بچھڑا بنایا، اسے حقیقت پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی تاویل کی جائے

گی) کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خلق کثیر (بنی اسرائیل) میں کوئی ایک شخص بھی عقل مند نہ ہو جو اس بات کو جانتا ہو کہ سونے سے بنائی ہوئی چیز خدا نہیں ہوسکتی۔

اس قسم کی تاویل اگر اہم اور بنیادی عقائد میں ہو تو بغیر کسی دلیلِ قاطع کے نص میں ایسی تاویل کرنے والے کی تکفیر لازم ہوگی۔ مثلاً وہ شخص جو محض وہم وظن اور استبعاد کے سبب بغیر کسی دلیلِ قاطع کے اجسام کے حشر ونشر کا انکار کرتا ہے، نیز عذابِ حسی کا منکر ہے تو ایسے شخص کو قطعی طور پر کافر قرار دینا ضروری ہے، کیوں کہ روحوں کا دوبارہ جسموں میں لوٹنے کے محال ہونے پر کوئی دلیل و برہان نہیں ہے اور ایسے امر کا ذکر دین میں بہت مضرت رساں ہے۔ لہٰذا اجسام کے حشر ونشر اور عذابِ حسی کے منکر کی تکفیر واجب ہے۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اپنی ذات کا علم ہے یا فقط اسے کلیات کا علم ہے، امور جزئیہ جو اشخاص وافراد سے متعلق ہیں، ان کا علم باری تعالیٰ کو نہیں ہے تو اس کی تکفیر بھی واجب ہے، کیوں کہ یہ قول صراحتاً رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہا ہے۔ یہ قول وعقیدہ ان درجات کے قبیل سے نہیں ہے جن کا تاویلات کے باب میں ہم نے ذکر کیا، اس لیے کہ قرآن عظیم اور احادیث نبویہ اجسام کے عام حشر ونشر اور علم الٰہی کے عموم پر دال ہیں۔ اللہ رب العزت ہر اس تفصیل کو جانتا ہے جو عالَم کے اشخاص وافراد پر جاری ہوتی ہے۔

ان اقوال کے قائلین کے دلائل، تاویل وتوجیہ کی حد سے انتہائی دور ہیں۔ علاوہ ازیں یہ منکرین اس بات کے خود مُقر ومعترف ہیں کہ یہ نصوص تاویل وتوجیہ کی گنجائش نہیں رکھتے لیکن اس کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں کہ معادِ عقلی کے فہم سے لوگوں کی عقلیں قاصر وعاجز تھیں اور ان کی صلاح وخیر حشرِ اجسام کا عقیدہ رکھنے میں تھی، اسی طرح ان کی صلاح وخیر اس بات میں تھی کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ ہر اُس چیز کو جانتا ہے جو افراد واشخاص پر گزرتی ہے اور وہ ان کی نگہبانی کرتا ہے تاکہ یہ عقیدہ ان کے دلوں میں امید اور خوفِ خدا پیدا کرے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ بات جائز ہوگئی کہ وہ مخلوق کو حشرِ اجسام اور علمِ الٰہی کے محیط ہونے کا عقیدہ سمجھائیں۔ جو شخص دوسروں کی اصلاح کرے وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔ لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے ایسی بات کہی جس میں دوسروں کے لیے بھلائی تھی، اگرچہ وہ بات خلافِ واقعہ ہے۔

قول مذکور قطعاً باطل ہے، کیوں کہ یہ صریحاً تکذیب ہے۔ پھر قائل نے عدمِ تکذیب کا خواہ

مخواہ عذر کیا ہے۔ منصبِ نبوت کو ان حقیر و رذیل امور سے بالاتر سمجھنا لازم و ضروری ہے۔ اس لیے کہ ایسے خیال کی تصدیق کرنے اور اسے اصلاحِ خلق کا ذریعہ سمجھنے میں پیغمبر کے لیے کذب بیانی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ زندیقیت کی پہلی منزل ہے، جو مکمل زندیقیت اور مسلک اعتزال کی درمیانی منزل ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا طریقہ سوائے اس ایک امر کے فلاسفہ کے طریقے کے قریب تر ہے، اس لیے کہ معتزلہ اس قسم کے عذر کے ساتھ رسول پر کذب کا بہتان جائز نہیں گردانتے بلکہ جب بھی اسے دلیل و برہان کے ذریعے ظاہر کا خلاف نظر آتا ہے وہ ظاہر نص کی تاویل کر لیتا ہے جب کہ فلسفی اس ظاہری معنی پر اکتفا نہیں کرتا جو تاویل کے قابل ہو خواہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ وہ اس سے تجاوز کر جاتا ہے۔

زندقہ مطلقہ یہ ہے کہ عقلی اور حِسّی دونوں قسم کے معاد کا انکار کیا جائے، نیز صانع عالم کا سرے سے انکار کیا جائے، لیکن عقلی معاد کے اثبات کے ساتھ آرام اور لذات حِسّیہ کی نفی کرنا، اسی طرح صانع عالم کو تسلیم کرنے کے ساتھ امور کے تفصیلی علم کی اس سے نفی کرنا زندقہ مقیدہ ہے کیوں کہ اس میں انبیائے کرام کی صداقت کے اعتراف کی ایک قسم موجود ہے، بظاہر یہ میرا وجدان ہے اور اس کا علمِ حقیقی اللہ کو ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیُ نَیِّفًا وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهُمْ فِی الْجَنَّةِ اِلَّا الزَّنَادِقَةَ (میری امت ستّر سے زائد فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے زنادقہ کے سب فرقے جنتی ہیں) سے یہی زندیق مراد ہیں۔ بعض روایات میں یہی الفاظ وارد ہیں اور اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ زنادقہ کو حضور نے اپنی امت میں شمار کیا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت تقسیم ہو جائے گی ''سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیُ'' اور جس نے حضور کی نبوت کا اعتراف نہیں کیا وہ آپ کی امت میں نہیں ہے اور جو لوگ اصلِ معاد اور اصل صانع کا انکار کرتے ہیں، وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتے۔ وہ موت کو عدمِ محض گمان کرتے ہیں اور یہ زعم کرتے ہیں کہ عالم بغیر کسی صانع کے ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ چنانچہ یہ گروہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور انبیائے کرام کو مکر و تلبیس کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ اس گروہ کا امت کی جانب انتساب ممکن نہیں، لہٰذا ''اس امت کے زنادقہ'' سے وہی معنی مراد ہے جو ہم نے ذکر کیے۔

☆☆☆

تکفیر وعدم تکفیر کی صورتیں

جن امور کے سبب تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن اسباب کی بنا پر تکفیر نہیں کی جاتی، ان کی تشریح وتوضیح ایک طویل تفصیل کی متقاضی ہے جس میں تمام موقف ومسلک کے ذکر، نیز ہر ایک کے شبہ اور دلیل، ظاہری معنی سے عدول کی وجہ اور وجہِ تاویل کے ذکر کی ضرورت ہوگی۔ ان تمام امور کے احاطے کے لیے ضخیم مجلدات بھی ناکافی ہیں اور ان امور کی تشریح کرنے کے لیے میرے وقت میں اس قدر گنجائش بھی نہیں ہے، لہٰذا فی الوقت تم ایک وصیت اور ایک قانون پر قناعت کرو۔

وصیت:

میری وصیت یہ ہے کہ اہل قبلہ جب تک لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کے قائل رہیں، اس کلمہ کی تردید نہ کریں، ان کی تکفیر سے حتی الامکان اپنی زبان کو روکو۔ کلمۂ توحید کی تردید کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی عذر یا بغیر عذر کے، رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کو جائز قرار دیں، ☆ کیوں کہ تکفیر ایک وادی پر خطر ہے، جب کہ سکوت میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

قانون تکفیر:

تکفیر کا قانون یہ ہے کہ تم پہلے اس بات کو جان لو کہ افکار ونظریات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اصولِ عقائد سے ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق فروعات سے ہے۔ اصول ایمان فقط تین ہیں:

[۱] اللہ پر ایمان

[۲] اس کے رسول پر ایمان

☆ یعنی مثلاً یہ کہیں کہ حضور ﷺ نے فلاں مصلحت کی بنا پر خلاف واقعہ بات بیان کی یا بغیر کسی ظاہری سبب کے کذب بیانی سے کام لیا۔ مترجم

[۳] یومِ قیامت پر ایمان۔

اس کے ماسوا سب فروعیات کے قبیل سے ہیں۔ اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ فروعیات میں سوائے ایک مسئلے کے تکفیر جائز نہیں ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی ایسی دینی بات کا انکار کرے جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے بطور تواتر ثابت ہو۔ البتہ بعض فروعی مسائل میں منکر کو خاطی قرار دیا جائے گا، جیسے فقہیات میں اور بعض میں اسے بدعتی کہا جائے گا، مثلاً ایسی خطا جس کا تعلق امامت اور احوالِ صحابہ سے ہو۔

واضح رہے کہ اصل امامت، اس کے تعین و شروط اور اس کے متعلقات میں کسی قسم کی خطا و غلطی کا صدور موجب تکفیر نہیں ہے۔ چنانچہ ابن کیسان نے اصل امامت کا ہی انکار کر دیا، لہٰذا اس بنا پر ان کی تکفیر لازم نہیں۔ اور اس سلسلے میں وہ لوگ قابل اعتنا نہیں ہیں جو امر امامت کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ وہ ایمان بالامام کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے ساتھ ضم کر دیتے ہیں، اور اسی طرح ان کے وہ مخالفین بھی ناقابلِ التفات ہیں جو محض امامت کے سلسلے میں ان کے برعکس خیالات کی بنیاد پر ان کی تکفیر کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ جانبین سے غلو اور زیادتی ہے، کیوں کہ دونوں میں سے کسی قول سے بھی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی اور جہاں تکذیب رسول پائی جائے گی وہیں تکفیر ہوگی، اگرچہ یہ تکذیب فروعات ہی میں کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی قائل یہ کہے کہ مکے میں جو گھر ہے یہ وہ کعبہ نہیں ہے جس کا حج کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کا یہ قول کفر ہے، کیوں کہ رسول انور ﷺ سے تواتر سے اس قول کے برعکس ثابت ہے اور اگر وہ شخص اس بات کا انکار کر دے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس گھر کے لیے کعبہ ہونے کی شہادت نہیں دی ہے تو بھی قائل کا انکار اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا، بلکہ قطعی طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے اس انکار میں معاند و متعصب ہے، الا یہ کہ وہ اسلام سے ابھی نیا نیا وابستہ ہوا ہو اور تواتر کے ساتھ اس کے پاس مکہ میں موجود گھر کے کعبہ ہونے کی خبر نہ پہنچی ہو۔

اسی طرح جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زنا کی نسبت کی اسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ ان کی برأت اور پاک دامنی میں قرآن نازل ہو چکا ہے، یہ اور اس قسم کی باتیں بغیر تکذیب رسول اور انکار تواتر کے ممکن نہیں ہے۔ انسان زبان سے تواتر کا انکار کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ تواتر کی معرفت سے اس کا دل ناواقف ہو۔ ہاں! اگر کسی نے اخبار آحاد سے ثابت شدہ امور کا انکار کیا تو اس انکار کے باعث اس پر کفر لازم نہیں آتا اور اگر کسی نے اس چیز کا انکار کیا جس کا ثبوت اجماع

سے ہے تو یہ انکار محل نظر ہے، کیوں کہ اجماع کے حجت قطعی ہونے کی معرفت ایک نہایت پیچیدہ امر ہے، جس سے اصولِ فقہ کے عالم واقف ہیں۔ نظام نے مطلقاً اجماع کے حجت ہونے کا انکار کیا ہے، لہٰذا اجماع کا حجت ہونا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ یہ حکم فروعات کے لیے ہے۔

اصول ثلاثہ کا حکم یہ ہے کہ ہر وہ بات جو فی نفسہٖ تاویل کی متحمل نہ ہو اور تواتر کے ساتھ منقول ہو اور جس کے خلاف کسی دلیل و برہان کا ہونا بھی متصوّر نہ ہو، ایسی بات کی مخالفت محض تکذیب ہے۔ اس کی مثال ماسبق میں ہم نے ذکر کی ہے جیسے حشرِ اجسام، جنت اور دوزخ کا وجود اور علم باری تعالیٰ کا تمام امور کی تفصیلات کو محیط ہونا، وغیرہ۔

اصول ثلاثہ میں وہ امور جو تاویل و توجیہ کا احتمال رکھتے ہیں (اگر چہ مجازِ بعید ہی کی تاویل کیوں نہ ہو) ان کی دلیل و برہان میں غور و خوض کیا جائے گا، اگر دلیل قطعی و یقینی ہو تو اس بات کو کہنا واجب ہوگا، لیکن اگر عامۃ الناس کے سامنے اس کے اظہار میں ان کی کم فہمی اور کوتاہ فکری کے سبب نقصان و ضرر کا قوی اندیشہ ہو تو اس قول کا اظہار بدعت ٹھہرے گا اور اگر دلیل و برہان قطعی نہ ہو، لیکن اس سے ظن غالب کا فائدہ حاصل ہو، نیز دین میں اس کا مضرت رساں ہونا واضح نہ ہو (مثلاً معتزلہ کا رویت باری کا انکار کرنا) تو یہ چیز بدعت ہے کفر نہیں ہے۔

لیکن اگر اس امر کا ضرر و نقصان ظاہر ہو تو وہ محل اجتہاد و نظر ہے۔ اس میں تکفیر اور عدم تکفیر دونوں کا احتمال ہے۔ اسی قبیل سے بعض مدعیان تصوف کا وہ دعویٰ ہے کہ وہ تقرب الی اللہ کی اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ان سے نماز ساقط ہو گئی ہے، شراب نوشی اور معصیت ان کے لیے حلال ہو گئی ہے اور بادشاہ کے مال کا کھانا ان کے لیے جائز ہو گیا ہے۔ ایسے افراد اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے واجب القتل ہونے میں مجھے ذرّہ برابر شک و شبہ نہیں۔ اگر چہ خلود فی النار کا حکم محلِ نظر ہے۔ ایسے شخص کا قتل کرنا سو کافروں کے قتل سے افضل ہے، کیوں کہ ایسے شخص کے سبب دین کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ اس سے دین میں اباحت کا وہ دروازہ کھلتا ہے جو کبھی بند نہیں ہوگا۔ اس شخص کا ضرر اس سے زائد ہے جو اباحت مطلقہ کا قائل ہے، کیوں کہ اس کا کفر واضح ہونے کے سبب ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے اور اس کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔ برخلاف اس شخص کے جو اپنے اوپر سے تکلیفات شرعیہ کے ساقط ہونے کا مدعی ہے کہ وہ شریعت کو شریعت سے منہدم کر رہا ہے اور اس گمان میں ہے کہ اس نے فقط حکم عام کی تخصیص کی ہے، کیوں کہ اس نے

تکلیفات عامہ کی تخصیص ان افراد کے ساتھ کی ہے جو دین میں اس کے مرتبے کو نہیں پہنچ پائے ہیں۔ بسا اوقات ایسا شخص یہ گمان کرتا ہے کہ بظاہر وہ دنیا سے وابستہ اور گناہوں میں ملوث ہے لیکن بباطن وہ ان سب لغویات سے بری ہے۔ یہ امر اس بات کی دعوت ہے کہ ہر فاسق ایسا بن جانے کا مدعی بن بیٹھے اور اس سے شریعت کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے۔

اے عزیز! تیرے لیے یہ گمان کرنا مناسب نہیں کہ تکفیر کو ہر مقام پر قطعی وحتمی طور پر جانا جا سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک حکم شرعی ہے، جس کا نتیجہ اباحت مال، قتل اور خلود فی النار کے حکم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس تکفیر کا ماخذ بھی دیگر احکام شرعیہ کے ماخذ کے مثل ہے کہ کبھی یقین واذعان کے ساتھ اس کا ادراک ہو جاتا ہے اور کبھی ظنِ غالب سے اور کبھی اس میں تردد واقع ہوتا ہے۔ جب شک وتردد واقع ہو تو تکفیر میں توقف وسکوت کرنا اولیٰ ہے۔ تکفیر میں وہی لوگ جلد بازی کرتے ہیں جن کی طبیعتوں پر جہالت غالب ہوتی ہے۔

اس مقام پر ایک دوسرا قاعدہ جان لینا بھی از بس ضروری ہے کہ مخالف کبھی نصِ متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نص قابلِ تاویل ہے، حالاں کہ اس کی تاویل کے لیے از روئے زبان، قریب یا بعید کسی تاویل کا کوئی محل نہیں ہوتا، یہ بھی کفر ہے اور تاویل کرنے والا مکذِّب ہے، اگر چہ وہ اپنے زعم میں مؤوِل ہے۔ اس کی مثال تم نے بعض فرقۂ باطنیہ کے کلام میں دیکھی ہوگی کہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس لحاظ سے واحد ہے کہ وہ دوسروں کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کی تخلیق کرتا ہے، وہ اس معنی کر عالم ہے کہ وہ دوسروں کو علم عطا کرتا ہے اور ان کے لیے علم کو پیدا کرتا ہے اور اس اعتبار سے موجود ہے کہ وہ دوسروں کو وجود بخشتا ہے، ان کے یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فی نفسہ واحد، عالم یا موجود ہے، اس لحاظ سے کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔

یہ تاویل صریح کفر ہے۔ کیوں کہ وحدت کو وحدت کی ایجاد پر محمول کرنا کسی قسم کی تاویل نہیں ہے اور نہ ہی لغت عرب اصلاً اس کی اجازت دیتی ہے۔ اگر اللہ وحدت کا خالق ہے، اس لیے واحد ہے کہ اس نے وحدت کو پیدا کیا تو اس خالق کو تین اور چار وغیرہ بولا جانا جائز ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اس نے اعداد کو بھی پیدا کیا ہے۔ حقیقت میں یہ باتیں تکذیبات کے قبیل سے ہیں جن کو تاویلات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆☆☆

تکفیر سے متعلق چند قابل لحاظ امور

ان تفصیلات سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ تکفیر سے متعلق چند امور کا لحاظ رکھنا لازمی ہے جو حسب ذیل ہیں:

پہلا امر:

نص شرعی جس کے ظاہر سے عدول و اعراض کیا گیا ہو۔ یہاں یہ دیکھا جائے گا کہ کیا وہ نص تاویل کا احتمال رکھتی ہے یا نہیں؟ پھر اگر اس میں تاویل کا احتمال ہے تو وہ تاویل قریب ہے یا بعید؟ قابل تاویل اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس دقت طلب کام میں وہی شخص مشغول ہو، جسے لسانیات میں ید طولیٰ حاصل ہو اور وہ لغت پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ زبان کے استعارات و مجازات میں اہل عرب کی عادت و عرف سے بھی واقف ہو۔

دوسرا امر:

وہ نص جس کا ظاہر ترک کیا گیا ہے، اس میں غور کیا جائے گا کہ اس کا ثبوت خبر متواتر سے ہے یا خبر احاد سے، یا صرف اجماع سے اس کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نص تواتر سے ثابت ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ تواتر کی شرط پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بسا اوقات خبرِ مستفیض کے متعلق بھی تواتر کا گمان ہو جاتا ہے، حالاں کہ وہ متواتر نہیں ہوتی۔

متواتر کی تعریف یہ ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کا امکان بھی نہ ہو جیسے انبیائے کرام، بلاد مشہورہ وغیرہ کے وجود کا علم کیوں کہ ان کے وجود کا علم ہر عصر میں زمانۂ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ کسی زمانے میں عدد تواتر میں کمی و قلت متصوَّر نہیں ہوئی اور تواتر کی شرط بھی یہی ہے کہ

اس میں عدد تواتر سے کمی کا احتمال بھی نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم، قرآن کے علاوہ دیگر روایات کے تواتر کو جاننا نہایت ہی دقیق و پیچیدہ امر ہے۔ ان میں تواتر کا ادراک فقط انہی لوگوں کا حصہ ہے جو کتبِ تواریخ، گزشتہ زمانوں کے احوال، کتب احادیث اور احوال رجال نیز بیان و روایت میں ان کے اغراض و مقاصد سے بحث کرتے ہیں، کیوں کہ کبھی ہر زمانے میں تواتر پایا جاتا ہے لیکن اس سے حصولِ علم نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ بات متصور ہوسکتی ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کا باہم موافقت میں کسی قسم کا رابطہ و تعلق ہو۔ بالخصوص ارباب مذاہب کے مابین تعصب واقع ہو جانے کے بعد اس کا قوی امکان ہے۔☆ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تم روافض کو دیکھو گے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت کے متعلق نص کے دعوے دار ہیں اور یہ نص ان کے نزدیک متواتر ہے، حالاں کہ ان کے مدِّ مقابل کے پاس بہت سی چیزیں تواتر سے ثابت ہیں جو روافض کے تواتر کے خلاف ہیں۔ چوں کہ روافض میں جھوٹی باتیں گڑھنے اور ان کی ترویج و اشاعت میں نہایت سخت موافقت پائی جاتی ہے۔

رہی وہ نص جس کی استناد اجماع کی جانب ہے تو اس کا جاننا تو انتہائی دقیق و عمیق ہے۔ اس لیے کہ اجماع کی شرط یہ ہے کہ ارباب حل و عقد کسی ایک مقام میں جمع ہو کر صراحت کے ساتھ کسی ایک بات پر اتفاق کریں، پھر علما کی ایک جماعت کے نزدیک وہ گروہ اس اتفاق پر ایک طویل عرصے تک قائم رہیں جب کہ علما کی ایک دوسری جماعت کے نزدیک یہ شرط ہے کہ لوگ اس عصر کے اختتام پر امر متفق علیہ پر عامل رہیں اور اجماع کے لیے یہ بھی شرط ہے امام وقت ارباب حل و عقد سے خط و کتابت کر کے ان کے فتاویٰ ایک زمانے میں اس طریقے پر جمع کرے کہ ان کے اقوال میں صریح لفظ سے اتفاق پایا جائے تا کہ اُس قول سے رجوع اور اس کے بعد اس سے اختلاف ناممکن ہو جائے۔

پھر یہ امر قابلِ غور ہے کہ اجماع کے بعد اگر کسی نے مخالفت کی تو اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ کیوں کہ بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ اتفاق و اجماع کے وقت اختلاف کرنا جائز تھا، لہٰذا اس اتفاق و اجماع کو اتفاقیہ سمجھا جانا چاہیے اور اتفاقِ رائے کے بعد کسی کو بھی اپنی رائے سے رجوع کرنے پر پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ اِس امر کا ادراک بھی نہایت دقیق اور مشکل ہے۔

☆ یعنی تعصب کی بنا پر کوئی بڑی جماعت کسی خلاف واقع چیز کو ہر دور میں بطریقہ تواتر نقل کرتی رہی ہو۔ مترجم

تیسرا امر:

یہ ہے کہ اس سلسلے میں غور کیا جائے کہ کیا مؤول کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر کے ساتھ ہوا ہے یا اسے اجماع کے ذریعے پہنچا ہے؟ اس لیے کہ ہر وہ شخص جو بعد میں پیدا ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ اس کے پاس امور متواتر ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے نزدیک مسائل اجماعیہ اور مسائل اختلافیہ ممتاز و ممیّز ہوں کیوں کہ وہ شخص تدریجی طور پر ان کا ادراک کرتا ہے اور یہ ادراک اسے سلف کی ان کتابوں کے مطالعے سے ہوتا ہے جو اختلاف و اجماع کے متعلق تصنیف کی گئیں ہیں۔ پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعے سے حصولِ علم نہیں ہوسکتا، کیوں کہ صرف اس قدر سے اجماع کے تواتر کا علم نہیں ہوسکتا۔ ابوبکر فارسی رحمہ اللہ نے اجماع کے مسائل میں ایک کتاب تصنیف کی، حالاں کہ اس کتاب کے بہت سے مسائلِ اجماعیہ سے انکار کیا گیا ہے اور بعض مسائل میں اہل علم نے ان کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اجماع کی مخالفت کرے کہ ابھی اس کے نزدیک اجماع کا ثبوت نہیں ہوا ہے تو وہ منکرِ اجماع شخص جاہل اور خاطی کہلائے گا، مکذّب نہیں، لہٰذا اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ چناں چہ اس تیسرے امر یعنی معرفت اجماع کی تحقیق میں مشغول ہونا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔

چوتھا امر:

اس شخص کی دلیل میں غور وفکر کیا جائے جس دلیل نے اسے ظاہرِ نص کی مخالفت پر آمادہ کیا ہے۔ وہ دلیل، برہان کی شرط پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ پھر برہان کی شرطوں کی معرفت کی شرح بغیر ضخیم مجلدات کے ممکن نہیں۔ ''القسطاس المستقيم'' اور ''محك النظر'' میں برہان کی جن شرطوں کی شرح کی گئی ہے وہ ایک نمونہ ہیں۔ اکثر فقہائے عصر کی طبیعتیں مکمل طور پر برہان کی شرطوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حالاں کہ برہان کی شرطوں کو سمجھنا بے حد ضروری ہے، کیوں کہ اگر برہان و دلیل قطعی ہوگی تو تاویل میں رخصت دی جائے گی، اگر چہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو اور اگر برہان و دلیل قطعی نہیں ہے تو بغیر ایسی تاویل کے جو قریب الفہم ہو رخصت نہیں دی جائے گی۔

پانچواں امر:

یہ غور کیا جائے کہ تاویل کے ذکر سے دین میں ضررِ عظیم ہے یا نہیں؟ اگر اس کا ضرر دین میں

عظیم نہیں ہے تو اس میں ایک گونا آسانی ہے، اگر چہ وہ قول انتہائی شنیع اور ظاہری طور پر باطل ہو۔ جیسے اس شخص کا قول جو امام کے انتظار میں ہے کہ امام کسی سرنگ میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ ان کے نکلنے کا منتظر ہے، اس لیے کہ یہ قول صریح جھوٹ اور نہایت قبیح ہے لیکن یہ دین میں کچھ مضرت رساں نہیں ہے، بلکہ یہ اسی احمق کے لیے ضرر رساں ہے جو امام کے انتظار میں کھڑا ہوا ہے۔ وہ ہر روز شہر کے باہر امام کے استقبال کے لیے نکلتا ہے اور پھرنا کام ونامراد گھر واپس لوٹتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر بے ہودہ گوئی سے قائل کی تکفیر نہیں کی جاتی، اگر چہ وہ بے ہودگی ظاہراً باطل ہی کیوں نہ ہو۔

جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ تکفیر میں غور وخوض کرنا مذکورہ تمام امور ومقامات میں غور وفکر کرنے پر موقوف ومنحصر ہے، جن کا کما حقہ ادراک ماہرین وکاملین ہی کر سکتے ہیں تو اب تم نے یہ بات بھی سمجھ لی ہوگی کہ جو اس شخص کی تکفیر میں عجلت وجلد بازی سے کام لے جو اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کرتا ہے تو یہ عجلت پسند شخص نرا جاہل ومفتری ہے۔ پھر کوئی فقیہ محض فقہ دانی کی بنا پر اس بار عظیم کو کیسے اٹھا سکتا ہے؟ بھلا فقہ کی کس وادی میں وہ ان علوم وفنون کو پائے گا؟ جب تم کسی ایسے فقیہ کو تکفیر وتضلیل کے مسائل میں غور وفکر کرتا ہوا دیکھو جس کی علمی پونجی محض فقہ ہے تو تم اسے سلام کر کے گزر جاؤ اور اپنی زبان ودل کو اس میں مشغول نہ کرو، کیوں کہ ہمہ دانی کا دعوی لوگوں کی فطرت میں ایسے سرایت کر چکا ہے کہ جاہل وناواقف بھی اس دعوی سے باز نہیں آتے۔ اسی وجہ سے لوگوں کے مابین اختلافات کی کثرت ہوگئی ہے۔ اگر جہال خاموش رہتے تو مخلوق خدا میں اس قدر اختلافات وقوع پذیر نہ ہوتے۔

☆☆☆

تکفیرِعوام کا حکم

متکلمین کا سب سے متشدد اور غالی وہ گروہ ہے جو عام مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے۔اس گروہ کا خیال ہے کہ جو شخص علمِ کلام کو ان کی طرح نہیں جانتا اور ان کے تحریر کردہ دلائل سے شریعت مطہرہ کے عقائد کا ادراک نہیں رکھتا، ایسا شخص کافر ہے۔ متکلمین کے اس گروہ نے اولاً اللہ کی وسیع رحمت اس کے بندوں پر تنگ کر دی اور جنت کو مٹھی بھر متکلمین کی جماعت کے لیے وقف کر دیا۔ ثانیاً یہ لوگ سنّتِ متواترہ سے لاعلم ہیں، حالاں کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ سے یہ بات ان پر آشکارا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے عرب کے ان بدوی اقوام پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جو بتوں کی پرستش میں مشغول تھے، انہیں دلیل سیکھنے کا مکلّف نہیں کیا۔ اگر یہ بدوی دلیل سیکھنے میں مشغول ہوتے تب بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لہٰذا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ایمان کا ماخذ علمِ کلام، اس کے خشک دلائل اور تفصیلات ہیں، ایسا شخص حق سے انتہائی دور جا پڑا ہے۔

ایمان ایسا نور ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف سے اپنے بندوں کے دل میں بطور تحفہ وانعام القا فرماتا ہے۔ ایسا کبھی تو باطن کی اپنی شہادت سے ہوتا ہے، جسے لفظوں میں تعبیر نہیں کیا جا سکتا اور کبھی ایسا خواب میں ہوتا ہے اور کبھی کسی متقی ودین دار شخص کی محفل میں بیٹھنے پر اس کے احوال کا مشاہدہ کرنے اور اس کے نور کا اس میں سرایت کرنے کے سبب ہوتا ہے اور کبھی محض قرینۂ حال سے ایمان کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس آتا ہے جو آپ کی نبوت ورسالت کا منکر تھا، جب اس کی نظر حضور نبی اکرم ﷺ کے روشن وتاب ناک چہرے پر پڑتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ کے روئے مبارک سے نبوت کے انوار چمک رہے ہیں۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلتا ہے وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّاب۔ (خدا کی قسم! یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔) پھر وہ آپ ﷺ سے اپنے اوپر اسلام پیش کرنے کی گزارش کرتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک اور اعرابی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی:

اَنْشُدُكَ اللّٰهَ آللّٰهُ بَعَثَكَ نَبِيًّا فَقَالَ ﷺ اِيْ وَاللّٰهِ بَعَثَنِيْ نَبِيًّا فَصَدَّقَهُ بِيَمِيْنِهٖ فَاَسْلَمَ

مَیں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: ہاں! بہ خدا اللہ نے مجھے خلعت نبوت پہنا کر بھیجا ہے تو اس شخص نے آپ ﷺ کی قسم کی تصدیق کی اور مُشرف بہ اسلام ہو گیا۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حالاں کہ ان اہل ایمان میں سے کوئی بھی علمِ کلام اور فہم دلائل میں مشغول نہیں ہوا بلکہ اولاً انہی جیسے قرائن واحوال سے ان کے دلوں میں اسلام کا نور جلوہ گر ہوا کرتا، پھر مشاہدۂ احوال، تلاوت قرآن، تزکیۂ قلوب کے ذریعے اسلام کی روشنی اور چمک میں اضافہ ہوتا رہتا۔

کاش مجھے بھی کوئی ایسی روایت ملتی جس سے معلوم ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے سامنے کوئی اعرابی اسلام لایا ہو اور انہوں نے عالم کے حادث ہونے پر یہ دلیل دی ہو کہ عالَم اعراض وحوادث سے خالی نہیں ہے اور جس چیز میں اعراض وحوادث ہوں وہ خود حادث ہوتی ہے، لہٰذا عالم حادث ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم کے ساتھ عالم ہے جو اس کی ذات پر زائد ہے اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے جو اس کی ذات پر زائد ہے اور یہ صفات نہ عینِ ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔ یا اس طرح کی دوسری باتیں جو متکلمین کی خاصیت ہیں۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ حضور ﷺ سے صرف درج بالا متعین کلمات منقول نہیں ہیں، بلکہ ایسے کوئی دوسرے الفاظ بھی مروی نہیں جن سے معانی مذکورہ پیدا ہوتے ہوں۔ تلواروں کے زیر سایہ کچھ بدوی جوانوں کے ہاتھوں کوئی معرکہ سر ہوتا تھا اور قیدیوں کی جماعت یکے بعد دیگرے جلدی یا دیر سے مشرف بہ اسلام ہو جاتی تھی۔ جب وہ حضرات کلمہ شہادت پڑھ لیتے تھے تو انہیں نماز وزکوۃ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی، پھر انہیں ان کی صنعت وحرفت مثلاً بکریاں چرانے وغیرہ کے لیے رخصت دے دی جاتی تھی۔

ہاں! مَیں اس بات کا انکاری نہیں کہ متکلمین کے دلائل بعض لوگوں کے حق میں ایمان لانے کے اسباب میں سے ایک سبب ہیں، لیکن حصولِ ایمان متکلمین کے ان دلائل پر ہی موقوف ومنحصر نہیں، نیز متکلمین کے دلائل سے ایمان کا حصول بھی شاذ ونادر ہے، حصول ایمان میں سب سے

زیادہ نفع بخش وہ کلام ہے جو وعظ و تذکیر اور پند و نصائح پر مشتمل ہو، جیسا کہ قرآن حکیم کا اسلوب بیان ہے۔ چنانچہ خالص طریق متکلمین پر ضبطِ تحریر میں لایا گیا کلام سامعین کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ کلام ایک عامی شخص کی فہم و فراست سے ماوراء ہے، اس وجہ سے کہ اس میں صنعتِ جدل و جدال ہے، نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ کلام فی نفسہٖ برحق ہے۔ بلکہ بسا اوقات بحث کلامی ایک عامی کے حق میں عنادِ قلبی کے استحکام کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم نے متکلمین اور فقہا کی کوئی مجلسِ مناظرہ ایسی نہ دیکھی ہوگی جس میں کوئی شخص اپنے مذہبِ اعتزال یا کسی بدعت سے تائب ہوا ہو یا کوئی شافعی المسلک حنفی ہوا ہو یا کسی حنفی نے شافعی مذہب اختیار کیا ہو، تبدیلی فکر و مسلک کے دوسرے اسباب و علل ہوتے ہیں حتیٰ کہ قتال بالسیف بھی تبدیلی فکر کا ایک سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام میں کبھی ان محاورات اور بحوث کلامیہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ علم کلام میں غور و خوض کرنے والوں نیز بحث و سوال میں شغل رکھنے والوں پر سلف صالحین نے شدت کے ساتھ تنبیہ فرمائی۔ مداہنت اور جانب داریت سے بالاتر ہمارا یہ واضح موقف ہے کہ کثرت آفات کی بنا پر علمِ کلام میں صرف دو شخص کے لیے غور و خوض کرنا جائز ہے۔

پہلا شخص وہ ہے جس کے دل میں کوئی ایسا شبہ واقع ہو گیا ہو جو نہ قریب الفہم واعظانہ کلام سے رفع ہوا اور نہ ہی حدیثِ رسول سے، ہوسکتا ہے کہ اسلوب کلامی پر مرتب شدہ کلام اس کے حق میں دافعِ شبہ اور اس کے مرضِ شک کی دوا بن جائے۔ لہٰذا ایسے شخص کے ساتھ علم کلام استعمال کیا جائے لیکن ساتھ ہی ضروری ہے کہ جسے شک و شبہ کا مرض لاحق نہ ہو، اس سے اس بحث کلامی کو دور رکھا جائے کہ مبادا یہ بحث اس کے دل میں کسی اشکال کا محرّک بن جائے یا کوئی شبہ پیدا کر دے، جو اسے مریض بنا دے اور اس کے قطعی درست اعتقادات میں تزلزل پیدا کر دے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کامل العقل اور راسخ فی الدین ہو اور یقین و اذعان کے انوار کے ساتھ اس کا ایمان ثابت ہو۔ وہ اس نیت سے صنعتِ کلامیہ کو حاصل کرے تاکہ جب کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ پیدا ہو تو ان بحوث کلامیہ کے ذریعے اس مریض کا علاج کرے، جب کوئی بدعت ظاہر ہو تو اسے مُسکت جواب سے لاجواب کر دے اور جب کوئی بدعتی کسی کو گمراہ کرنے کا قصد کرے تو اس فن کے ذریعے اس کے معتقدات کی حفاظت و صیانت کرے۔ اس غرض و غایت

کے لیے یہ فن سیکھنا فرضِ کفایہ ہے اور جس کے دل میں شک وشبہ پیدا ہو چکا ہو، اسے اس مقدار میں علم کلام حاصل کرنا جس سے شکوک وشبہات دور ہو جائیں فرضِ عین ہے، بشرطیکہ اس کے اعتقادات قطعیہ کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہ ہو۔

صریح وواضح حق بات یہ ہے کہ جو چیز رسولِ انور ﷺ من جانب اللہ لائے اور جن مضامین پر قرآن کریم مشتمل ہے، ان پر جو بھی شخص قطعی وحتمی اعتقاد رکھتا ہے وہ مومن ہے، اگر چہ وہ ان امور کے دلائل سے واقف نہ ہو، بلکہ دلیل کلامی سے جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ انتہائی ضعیف وکمزور ہوتا ہے، ایسا ایمان معمولی شبہ کی بنیاد پر تزلزل کے قریب پہنچ جاتا ہے، راسخ ومحکم ایمان وہ ہے جو عامۃ الناس کو زمانہ طفولیت میں تواترِ سماع سے یا بعد از بلوغ ایسے قرائن وشواہد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جنہیں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور ایمان کا مکمل استحکام، عبادت اور ذکر وفکر کے التزام سے ہوتا ہے، کیونکہ جس شخص کو عبادت، حقیقتِ تقویٰ تک پہنچا دے، دنیوی کدورتوں سے اسے پاک وصاف کر دے اور ذکر اللہ کی پابندی اس کے لیے دائمی طور پر انوار معرفت روشن کر دے، اس نے جتنے امور تقلیداً حاصل کیے تھے، وہ سب اس کے نزدیک معائنہ ومشاہدے کی منزل میں ہو جاتے ہیں۔ یہی حقیقتِ معرفت ہے جس کا حصول، عقدۂ اعتقادات کے کھلے بغیر اور اللہ کے نور سے انشراح صدر ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ یُّرِدِاللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدَرہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍمِن رَّبِّہٖ

جس کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص اپنے رب کی جانب سے نور پر ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ سے شرحِ صدر کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک نور ہے جو مومن کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اس نور کی علامت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دارالغرور (دنیا) سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور دارالخلود (آخرت) کی طرف مائل ہونا اس نورِ عرفان کی علامت ہے۔ اس علامت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی جانب میلان رکھنے والے اور اس پر جاں نثار کرنے والے متکلم نے حقیقت معرفت کا ادراک نہیں کیا ہے۔ اگر اسے معرفت کی حقیقت کا ادراک ہو جاتا تو یقیناً وہ دارالغرور سے کنارہ کشی اختیار کرتا۔ ☆☆☆

اہل جہنم کی تعداد

[**ایک اعتراض**] شاید تم یہ کہو کہ آپ تکفیر کا سبب نصوص شرعیہ کی تکذیب کو قرار دے رہے ہیں، جب کہ خود شارع علیہ السلام نے ہی رحمت الٰہی کو خلق خدا پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلمین نے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، آپ نے فرمایا:

یقول اللّٰہ تعالیٰ لاٰدم یوم القیٰمۃ: یا آدم ابعث من ذریّتك بعث النار۔ فیقول: یا رب من کم کم؟ فیقول: من کل الف تسع مائۃ و تسعۃ و تسعین

اللہ تعالیٰ بروز قیامت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو بھیجو۔ حضرت آدم عرض کریں گے: اے پروردگار! کتنے لوگوں میں سے کتنے بھیجوں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

نیز حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:

سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیُ عَلٰی نَیِّفٍ وَ سَبُعِیُنَ فِرُقَۃً اَلنَّاجِیَۃُ مِنُھَا وَاحِدَۃٌ

میری امت ستّر سے زائد فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔

الجواب:

پہلی حدیث صحیح ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ جہنم میں جانے والے وہ تمام افراد کافر ہوں گے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس پر پیش کیے جائیں گے اور ان میں سے بعض لوگ اپنے گناہوں کے بقدر جہنم میں چھوڑ دیے جائیں گے۔ گناہوں سے محفوظ رہنے والا شخص ہزار میں فقط ایک ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنُ مِـنُـکُمُ اِلَّا وَارِدُھَا (تم میں سے

ہر شخص جہنم پر وارد ہوگا)۔ یہاں جہنم میں بھیجنے سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر گناہوں کے باعث دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کو شفاعت کے ذریعے دوزخ کے راستے سے پھیر دیا جائے، جیسا کہ وسعت رحمت کے تعلق سے بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں:

فَقَدتُّ النَّبِیَ ﷺ ذَاتَ لَیلَۃٍ فَابتَغَیتُہ فَاِذَا ھُوَ فِیۡ مَشرُبَۃٍ یُصَلِّیۡ فَرَأیتُ عَلٰی رَاسِہٖ اَنوَارًا ثَلَاثَۃً فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہُ قَالَ: مَھیَم مَنۡ ھٰذِہٖ؟ قُلتُ: اَنَا عَائِشَۃُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ! قَالَ رَئَیتِ الۡاَنوَارَ الثَّلَاثَۃَ قُلتُ: نَعَمۡ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! قَالَ اِنَّ اٰتِیاً اَتَانِیۡ مِن رَّبِّیۡ فَبَشَّرَنِیۡ اَنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الۡجَنَّۃَ مِنۡ اُمَّتِیۡ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفًا بِغَیۡرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ ثُمَّ اَتَانِیۡ فِی النُّوۡرِ الثَّانِیۡ اٰتٍ مِنۡ رَبِّیۡ فَبَشَّرَنِیۡ اَنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الۡجَنَّۃَ مَکَانَ کُلِّ وَاحِدٍ مِنَ السَّبۡعِیۡنَ اَلۡفًا سبعین الفاً بِغَیۡرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ ثُمَّ اَتَانِیۡ فِی النُّوۡرِ الثَّالِثِ اٰتٍ مِنۡ رَبِّیۡ فَبَشَّرَنِیۡ اَنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الۡجَنَّۃَ مِنۡ اُمَّتِیۡ مَکَانَ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ السَّبۡعِیۡنَ اَلۡفًا اَلۡمُضَاعَفَۃِ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفًا بِغَیۡرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ۔ فَقُلۡتُ: یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَا تَبۡلُغُ اُمَّتُکَ ھٰذَا قَالَ یُکَمَّلُوا لَکُمۡ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ لَّا یَصُوۡمُ وَلَا یُصَلِّیۡ

مَیں نے ایک رات نبی ﷺ کو اپنے پاس نہیں پایا تو مَیں آپ کو تلاش کرنے لگی۔ دیکھا کہ آپ آب نوش کی جگہ نماز پڑھ رہے ہیں اور تین انوار آپ کے سر پر جلوہ گر ہیں۔ جب آپ ﷺ نماز ادا فرما چکے تو ارشاد فرمایا کون ہے؟ مَیں نے کہا: مَیں عائشہ ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نے تین نور ملاحظہ کیے؟ مَیں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب کی جانب سے ایک پیغام رساں آیا اور اس نے مجھے خوش خبری سنائی کہ اللہ رب العزت میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ پھر دوسرے نور میں ایک اللہ کا قاصد آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد عدد کی جگہ ستر ہزار کو بغیر حساب و

عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ پھر تیسرے نور میں اللہ کا منادی آیا اور
اس نے مجھے اللہ کا یہ فرمان سنایا کہ اللہ تعالیٰ ستر ہزار مضاعف کے ہر واحد کے
عدد کے مقابل ستر ہزار کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ مَیں
نے عرض کی: آپ کی امت اس مقدار وعدد کو نہیں پہنچے گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:
اس کی تکمیل ان عرب بدوؤں سے کی جائے گی، جو نماز روزہ ادا نہیں کرتے۔

یہ اور اس جیسی بے شمار احادیث ہیں جو وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ رحمت خاص طور پر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو میسر ہوگی۔

مَیں کہتا ہوں کہ یہ رحمت سابقہ امتوں میں سے کثیر افراد کو شامل ہوگی، اگرچہ اکثر لوگوں کو جہنم کی آگ پر پیش کیا جائے گا، بعض کو ایک لمحے کے لیے، بعض کو ایک ساعت اور بعض کو ایک مدت تک، تاکہ ان پر دوزخ میں ڈالے جانے کا لفظ بولا جا سکے۔ بلکہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے اکثر روم وترک کے نصاریٰ کو بھی ان شاء اللہ یہ رحمت شامل ہوگی اور ان سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو روم وترک کے کناروں پر سکونت پذیر ہیں اور ان کو ابھی تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی ہے۔ ان لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جن تک حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک اصلاً نہیں پہنچا، یہ لوگ معذور ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن تک حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک اور اوصاف پہنچے لیکن معجزات کا ظہور ان پر نہیں ہوا اور یہ وہ لوگ ہیں جو بلاد اسلامیہ کے قرب وجوار میں ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا اختلاط ہے، اس قسم کے لوگ کافر ہیں، جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو سابقہ دونوں درجوں کے درمیان میں ہیں ان تک حضور نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک پہنچا لیکن آپ ﷺ کے اوصاف نہیں پہنچے، بلکہ انہوں نے بچپن سے سنا کہ (معاذ اللہ) ایک جھوٹا مکار جس کا نام محمد ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، جیسا کہ ہمارے بچوں نے سنا کہ ایک جھوٹے مکار نے نبوت کا دعویٰ کیا جس کا نام مقفع ہے، اس قسم کے لوگ میرے نزدیک پہلی والی قسم میں داخل ہیں۔ کیوں کہ ان لوگوں نے باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا

نام سنا، آپ کے اوصاف حمیدہ کے خلاف آپ کے اوصاف سنے۔ اور ایسا علم، طلب کا داعیہ پیدا نہیں کرتا۔

رہی دوسری حدیث جس میں یہ وارد ہوا کہ ان ستر سے زائد فرقوں میں فقط ایک ناجی ہوگا، اَلنَّاجِيَةُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ ۔ تو اس مفہوم کی روایتیں مختلف ہیں، بعض میں یہ منقول ہے کہ ان میں صرف ایک فرقہ ہلاک ہونے والا ہے، اَلْهَالِكَة مِنْهَا وَاحِدَةٌ لیکن پہلی والی روایت زیادہ مشہور ہے۔ مذکورہ روایت میں ''ناجی'' کے معنی یہ ہے کہ اس فرقے کو جہنم کی آگ کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا اور اس کی نجات کے لیے شفاعت کی حاجت نہیں ہوگی۔ کیوں کہ وہ شخص جس سے زبانیہ متعلق ہوگا، جو اسے جہنم میں کھینچ کر لے جائے گا، وہ ناجی مطلق نہیں ہے، اگر چہ وہ شفاعت کے ذریعے اس کے پنجے سے نکل جائے گا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سوائے فرقۂ زنادقہ کے سب فرقے جنتی ہوں گے كلها في الجنة الا الزنادقة ممکن ہے کہ تمام روایتیں صحیح ہوں، ایسی صورت میں ہلاک ہونے والا فرقہ صرف ایک ہوگا اور یہ وہی فرقہ ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہے گا اور ہالک سے مراد وہ شخص ہے جس کی اصلاح کی امید باقی نہ رہی ہو، اس لیے کہ ہلاکت والے کے لیے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بھلائی کی امید نہیں کی جاتی۔ اسی طرح نجات پانے والا ایک فرقہ ہوگا اور یہ وہی فرقہ ہوگا جو بغیر حساب و شفاعت کے جنت میں داخل ہوگا، کیوں کہ جس کا حساب ہو، یقیناً وہ مبتلائے عذاب ہے۔ اس لیے حساب لیے جانے والا گروہ بھی مطلقاً ناجی نہیں ہوگا۔

ناجی اور ہالک دو کنارے ہیں جن کو ''خیر خلق'' اور ''شر خلق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے مابین متعدد گروہ ہیں جن میں سے بعض حساب کے سبب عتاب دیے جائیں گے اور بعض کو جہنم سے قریب کیا جائے گا پھر شفاعت کی بنا پر جہنم سے پھیر دیا جائے گا۔ بعض وہ فرقے ہیں جو جہنم میں داخل ہوں گے پھر اپنے عقائد اور بدعت میں خطا کے بقدر نیز اپنے گناہوں کی قلت و کثرت کے مقدار جہنم میں رہیں گے، پھر انہیں اس سے نکال لیا جائے گا۔ اس امت کا ہمیشہ جہنم میں رہنے والا فقط ایک فرقہ ہوگا اور یہ وہی فرقہ ہے جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کی اور بر بنائے مصلحت آپ ﷺ پر جھوٹ کو جائز قرار دیا۔

رہی دوسری قوموں کی بات، توان میں سے وہ شخص جس نے بطورتواتر حضور نبی اکرم علیہ التحیۃ والثناء کی تشریف آوری، آپ کے اوصاف اور خارق عادت معجزات جیسے چاند کاشق ہونا، کنکریوں کاتسبیح پڑھنا، انگشت مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوجانا اور معجزۂ قرآن کریم کہ اہل فصاحت نے جس کا مقابل لانے کی کوشش کی اوراس کے مقابل لانے سے عاجز رہے، ان کے متعلق سن کر تکذیب کی، ان تمام چیزوں کے متعلق سننے کے بعدان سے اعراض ورُوگردانی کی، ان امور میں غوروفکر سے کام نہ لیااوران کی تصدیق نہیں کی تو ایسا شخص معاندومکذِّب ہے، لہٰذاوہ کافر ہوگا۔اس حکم میں روم وترک کے اکثر وہ لوگ داخل نہیں ہیں جن کے ملک، بلاد اسلامیہ سے دور ہیں۔

میرا ماننا ہے کہ جس کسی شخص کی سماعت سے یہ امورٹکرائیں، طلب کا داعیہ ضروراس میں تحریک پیدا کرے گا تا کہ حقیقت حال واضح ہو جائے، بشرطیکہ وہ شخص دین دار ہواوران لوگوں میں سے نہ ہو جنھوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کراسے اختیار کر لیا ہے۔اور اگراس میں داعیۂ طلب نے اس وجہ سے تحریک پیدا نہ کی کہ وہ دنیا کی جانب میلان رکھتا ہے اور دین کے معاملے میں خوف وخطر سے خالی ہے تو اس کا یہ عمل کفر ہے۔اسی طرح اگر داعیۂ طلب نے اس میں تحریک وحرکت تو پیدا کی لیکن اس نے طلب اسلام میں کوتاہی کی تو یہ بھی کفر ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا خواہ کسی بھی مذہب کا ہو، اس کے لیے ممکن ہی نہیں کہ خارق عادت معجزات کے ظہور کے بعد بھی وہ طلب میں کوتاہی وتساہل سے کام لے گا۔ہاں! اگر وہ شخص جس کے پاس پیغامِ اسلام پہنچا، وہ غور وفکر اور طلب میں مشغول ہوا اور کسی طرح کی اس میں کوتاہی نہیں برتی لیکن تحقیق کی تکمیل سے پہلے ہی اسے موت کے آہنی پنجوں نے جکڑ لیا تو ایسا شخص اہل مغفرت میں سے ہے اور رحمت واسعہ اس کے لیے بھی عام ہے۔

اے برادر! اللہ کی رحمت میں وسعت کے طلب گار بنو اور امور الٰہیہ کو مختصر رسمی پیمانوں سے مت ناپو۔یقین جانو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے اور تمہاری تخلیق و بعثت صرف نفس واحد کی مانند ہے۔جس طرح دنیا میں رہنے والے اکثر افراد آرام وراحت میں ہیں یا ایسی حالت میں ہیں جس پر رشک ہوتا ہے، اگر ان کو اس عیش وسکون اور موت کے مابین اختیار دے دیا جائے تو وہ ضرور اس سلامتی والی حالت کو پسند کریں گے۔دنیا کے اندر تکلیف ومصیبت میں گرفتار ایسے افراد

جوموت کی آرزو کرتے ہیں، ان کا وجود شاذ و نادر ہی ہے۔ اسی طرح آخرت میں جہنم سے نجات پانے اور نکالے جانے والوں کی بہ نسبت جہنم میں ہمیشہ رہنے والے شاذ و نادر ہی ہوں گے، کیوں کہ ہمارے احوال کے مختلف ہونے سے صفت رحمت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور دنیا و آخرت تو دراصل صرف تمہارے احوال کے اختلاف کا نام ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل ارشاد کا کوئی مطلب نہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَطَّ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِی الْکِتَابِ الْاَوَّلِ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا سَبَقَتُ رَحْمَتِیُ غَضُبِیُ فَمَنُ شَهِدَ اَنُ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبُدُهٗ وَ رَسُوُلُهٗ فَلَهُ الُجَنَّةُ

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے کتاب اول یعنی لوح محفوظ میں لکھا کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، لہٰذا جس نے بھی لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ کی گواہی دی ،اس کے لیے جنت ہے۔

واضح رہے کہ ارباب باطن کو اخبار و آثار کے علاوہ مکاشفات اور دیگر ذرائع سے بھی رحمت کی سبقت و شمولیت کا انکشاف ہوا ہے، لیکن اس کا ذکر طوالت کو چاہتا ہے۔ اگر تم ایمان و عمل دونوں کے جامع ہو تو تمہارے لیے رحمت الٰہی اور نجات مطلقہ کی بشارت ہے اور اگر کوئی ایمان و عمل دونوں سے خالی ہے تو وہ ہلاکت مطلقہ کا انتظار کرے۔ اور اگر تم اصل تصدیق میں یقین رکھتے ہو لیکن بعض تاویلات میں خاطی ہو یا بعض امور میں شک و شبہ لاحق ہے یا اعمال کی رو سے کوتاہ ہو تو نجات مطلقہ کی امید نہ رکھو۔ یقین جانو کہ یا تو تمہیں ایک مدت تک عذاب دیا جائے گا پھر اس سے خلاصی ملے گی یا وہ ذات تمہاری شفاعت کرے گی جس کی تصدیق تم ان تمام امور میں کرتے ہو جو وہ من جانب اللہ لے کر آئی ہے یا کوئی اور تمہاری شفاعت کرے گا۔ لہٰذا کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل و کرم سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بے نیاز کر دے کیوں کہ شفاعت بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔

☆☆☆

تکفیر حکم شرعی ہے، عقلی نہیں

بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ تکفیر کا ماخذ و مرجع عقل ہے نہ کہ شرع، اللہ سے جاہل و ناواقف شخص کافر ہے اور جو اللہ کی معرفت سے آشنا ہے وہ مومن ہے۔ ایسے لوگوں سے کہا جائے کہ مباح الدم اور خلود فی النار ہونا ایک حکمِ شرعی ہے اور ورودِ شرع سے پہلے اس حکم کا کوئی معنی و مطلب نہیں ہے۔ اگر ان حضرات کی یہ مراد ہے کہ شارع علیہ السلام کے کلام سے بھی یہ مفہوم ہے کہ اللہ سے ناواقف و ناآشنا شخص کافر ہے تو پھر حکمِ کفر جہل باللہ پر ہی منحصر نہیں رہا، اس لیے کہ جو رسول اور آخرت سے ناواقف ہے وہ بھی کافر ہے۔ پھر اگر ذاتِ باری تعالیٰ میں جہل کی تخصیص کی جائے اور اس شخص کی اس جہالت سے اللہ رب العزت کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار مراد لیا جائے تو یہ حکم باقی صفات الٰہیہ کو جامع نہیں ہوگا۔

اور اگر صفاتِ باری تعالیٰ میں خطا کرنے والے کو بھی جاہل یا کافر قرار دے تو پھر اس پر ہر اس شخص کی تکفیر لازم ہوگی جس نے باری تعالیٰ کی صفت بقا اور صفت قِدم کی نفی کی یا جس نے کلام کے علم الٰہی پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا یا جس نے رؤیت باری تعالیٰ کے جواز کا انکار کیا یا جس نے جہت کو اس کی ذات کے لیے ثابت مانا یا جس نے ایسے ارادۂ حادثہ کو ثابت مانا جو نہ ذات حق تعالیٰ میں ہے اور نہ کسی دوسرے محل میں، یا اس کے برعکس اس پر جملہ امور مذکورہ سے اختلاف رکھنے والوں کی تکفیر لازم آئے گی۔

الحاصل اس پر ہر اس مسئلے میں تکفیر کرنا لازم ہوگا جس کا تعلق صفاتِ باری تعالیٰ سے ہو اور یہ ایسا تحکم اور ہٹ دھرمی ہے جس کی کوئی سند و دلیل نہیں ہے۔ اور اگر یہ حضرات حکم تکفیر کو بعض

صفاتِ باری کے ساتھ مختص مانیں تو پھر ان صفات میں تفریق کے لیے ان کے پاس کوئی واضح پیمانہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا تکذیب کے قاعدے کے سوا تکفیر کا کوئی دوسرا اصول سمجھ میں نہیں آتا، کیوں کہ تکذیب کا قاعدہ مکذِّب رسول اور منکر معاد دونوں کو مشتمل ہے اور اس سے تاویل کرنے والا شخص خارج ہو جاتا ہے۔

یہاں میں اس بات کو بعید قرار نہیں دیتا کہ تاویل و تکذیب کے جملہ مسائل میں سے بعض کے درمیان کبھی شک و تردُّد واقع ہو حتی کہ تاویل بعید ہو اور ظن و اجتہاد کے ذریعے اس میں فیصلہ کیا جائے۔ ویسے بھی تمہیں یہ حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

تکفیر کرنے والے کی تکفیر

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مَیں ان فرقوں کی تکفیر کروں گا جو میری تکفیر کریں گے اور جو میری تکفیر سے پرہیز کرے گا مَیں بھی اسے کافر قرار نہیں دوں گا۔ یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ کیوں کہ یہ قول کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب امامت کے زیادہ حق دار ہیں" کفر نہیں ہے، لہٰذا اگر اس قول کا قائل غلطی سے اپنے مخالف کو کافر گمان کرے تو اس ظن و گمان کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا، ہاں! مسئلہ شرعیہ میں یہ اس کی خطا ہوگی۔ چناں چہ کسی حنبلی کو باری تعالیٰ کے لیے اثبات جہت کی بنا پر کافر نہیں قرار دیا جا سکتا، اب اگر وہ حنبلی خطاءً یہ گمان کرنے لگے کہ جو شخص جہت کی نفی کرتا ہے مکذب ہے مؤول نہیں، تو اس غلط ظن کی بنا پر بھی اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ رہا حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ "دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر کفر کی تہمت لگائے تو یہ کفر ان میں سے کسی ایک کی طرف لوٹے گا"۔ تو اس کے معنیٰ یہ ہے کہ تکفیر کرنے والا دوسرے مسلمان کی حالت و کیفیت جاننے کے بعد تکفیر کرے گا تو یہ حکم ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کے متعلق جانتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی تصدیق کرتا ہے، اس کے باوجود وہ اسے کافر قرار دیتا ہے تو مکفر کافر ہو جائے گا اور اگر اس شخص کی تکفیر اس گمان کی بنا پر کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے تو یہ ایک مومن کے بارے میں اس کی فاحش غلطی ہے، کہ اسے وہ کافر اور مکذب رسول سمجھتا ہے جب کہ وہ ایسا نہیں ہے اور یہ خطا کفر نہیں ہے۔

ہم نے ان نکات کے ذریعے تمہیں متنبہ کر دیا کہ تم اس قاعدے میں خوب غور کرو اور اس قانون کی طرف توجہ دلا دی جو واجب الاتباع ہے۔ اسی پر قناعت کرو۔

والسلام

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

نمبر	کتاب	مصنف
۱	آداب السالکین	شمس مارہرہ حضور اچھے میاں قدس سرہٗ
۲	تحقیق التراویح	سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ
۳	احقاق حق	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۴	عقیدۂ شفاعت	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۵	وهابی تحریک	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۶	اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۷	زیارت روضه رسول	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۸	فصل الخطاب	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۹	حرز معظم	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۱۰	مولود منظوم	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۱۱	تبکیت النجدی	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۱۲	شمس الایمان	مولانا محی الدین قادری بدایونی
۱۳	احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۴	رد روافض	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۵	الکلام السدید	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۶	سنت مصافحه	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۷	اختلاف علی و معاویه	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۸	دیوان تاج الفحول	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۹	مردے سنتے ہیں؟	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۲۰	مضامین شهید	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۲۱	ملت اسلامیه کا ماضی حال مستقبل	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۲۲	عرس کی شرعی حیثیت	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۳	فلاح دارین	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۴	عقائد اهل سنت	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی

۲۵	دعوت عمل	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۲۶	الجواب المشکور	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۲۷	فلسفہ عبادات اسلامی	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۲۸	خطبات صدارت	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۲۹	مثنوی غوثیہ	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۳۰	مختصر سیرت خیر البشر	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۱	احوال و مقامات	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۲	خمیازۂ حیات	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۳	باقیات ہادی	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۴	محبت، برکت اور زیارت	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۵	نوائے سروش	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۶	مدینے میں	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۷	معراج تخیل	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۸	تذکرۂ شمس مارہرہ	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۳۹	خیر آبادیات	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۰	عربی محاورات	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۱	قرآن کریم کی سائنسی تفسیر	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۲	حدیث افتراق امت	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۳	قصیدۂ فرزدق تمیمی	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۴	تحقیق و تفہیم	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۵	خامہ تلاشی	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۶	احادیث قدسیہ	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۷	تذکرۂ ماجد	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی
۴۸	مفتی لطف بدایونی	عالم ربانی شہید اسیدالحق قادری بدایونی

☆☆☆